سلسلہ مطبوعات ٦٩

ایشیاء کی عہد ساز قیادت (۱)

شیخ الہند اور تحریک آزادی

مولانا محمد ناصر

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

سلسلہ مطبوعات ۶۹

ایشیاء کی عہد ساز قیادت (۱)

شیخ الہندؒ اور تحریک آزادی

مولانا محمد ناصر

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	دار العلوم کا قیام	۹	۱۷	تحریک کے اہم مراکز	۳۲
۲	دار العلوم کا قیام کا اصل منشاء	۱۰	۱۸	دیو بند	۳۲
۳	شیخ الہندؒ کی تعلیم	۱۴	۱۹	دہلی	۳۳
۴	مسند تدریس	۱۵	۲۰	گوٹھ پیر جھنڈا	۳۳
۵	انجمن ثمرۃ التربیت	۱۶	۲۱	دین پور	۳۴
۶	انجمن ثمرۃ التربیت کا مقصد	۱۷	۲۲	امروٹ	۳۴
۷	استاد و مربی کے مشن کا فروغ	۱۸	۲۳	کراچی	۳۵
۸	جمعیۃ الانصار	۲۰	۲۴	چکوال	۳۶
۹	دار العلوم دیو بند کا جلسہ دستار بندی	۲۲	۲۵	ترنگ زئی	۳۶
۱۰	حضرت شیخ الہندؒ اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ	۲۲	۲۶	یاغستان	۳۷
۱۱	جلسہ مراد آباد	۲۳	۲۷	کابل	۳۷
۱۲	نظارۃ المعارف القرآنیہ	۲۵	۲۸	رائے پور	۳۹
۱۳	سیاسی حالات میں تبدیلی اور شیخ الہندؒ کا مقام	۲۶	۲۹	شاہ عبد الرحیمؒ اور شیخ الہندؒ	۴۳
			۳۰	پانی پت	۴۴
۱۴	شیخ الہندؒ کا منصوبہ آزادی	۲۸	۳۱	راجستھان	۴۵
۱۵	یاغستان میں آزاد منظم حکومت کی ضرورت	۲۹	۳۲	مدینہ منورہ	۴۶
۱۶	حضرت شیخ الہندؒ کا سفر حجاز اور مولانا سندھیؒ کا سفر کابل	۳۰	۳۳	تحریک کی وسعت اور قربانی کا جذبہ	۴۷
			۳۴	بیرون ہند تحریک کے اثرات	۴۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۵	مراکز کے باہمی رابطوں کی		۴۰	تحریک کے راز افشاء	۵۵
	خفیہ صورتیں	۴۹	۴۱	ایک غلط تاثر اور حقیقت حال	۵۶
۳۶	مولانا عبید اللہ سندھیؒ کابل میں	۵۱	۴۲	شیخ الہندؒ کی اپنے رفقاء سمیت	
۳۷	حضرت شیخ الہندؒ کی حجاز میں			گرفتاری	۵۷
	سرگرمیاں	۵۲	۴۳	خلاصہ کلام	۵۹
۳۸	غالب نامہ آزاد قبائل میں	۵۳	۴۴	حوالہ جات	۶۰
۳۹	امریکہ کا آزادی کش کردار اور				
	شریف مکہ کی غداری	۵۴			

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایشیاء کی عہد ساز قیادت (۱)

شیخ الہندؒ اور تحریک آزادی

۱۸۵۷ء کے جہاد حریت میں اگرچہ سفید فام انگریز اس اعتبار سے فتح مند ہوا تھا کہ اس کی ظالم فوجوں نے بے شمار بچوں کو یتیم کر دیا تھا، ہزار ہا عورتوں کو بیوہ بنا دیا تھا، لاتعداد خاندانوں کو تہس نہس کر دیا تھا اور لاکھوں افراد کو اپنی خونی سنگینوں کے تلے روند ڈالا تھا (۱)

۱۸۵۷ء کے واقعہ پر انگریزوں نے اس قدر اور ایسے ملعون اور شرمناک مظالم چاروں طرف ہندوستان میں کیے تھے جن کی نظیر وحشی قوموں اور جاہل سے جاہل ملکوں میں بھی نہیں پائی جاتی، توپوں کے منہ پر باندھ کر گولے سے اڑا دینا، ہاتھی کے پیر سے باندھ کر چلوا دینا، زندہ آدمی کو لوہے کی سلاخوں سے داغ کر آگ میں جلانا وغیرہ معمولی باتیں تھیں۔ اس لیے عام ہندوستانی اور بالخصوص مسلمان انتہائی درجہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (۲)

مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

پھر اس زمانہ میں سیاست کی طرف آنکھ اٹھانا ۱۸۵۷ء کا سماں باندھتی تھی۔ آزادی کا خواب بھی اگر کسی کو دکھائی دیتا تھا تو اس کا پتا پانی ہو جاتا تھا۔ خود مختار حکومت کی خواہش زبان پر لانا سارے جہان کو جلا دینے والی آگ سے زیادہ تباہ کن شمار ہوتی تھی۔ برطانوی خوف نے عالم (دنیا) کے دل و دماغ پر اپنا رعب جما رکھا تھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ دلوں پر جس قدر موجودہ حکومت کا خوف تھا اس قدر بلکہ اس کا ایک فیصد بھی اللہ پاک قہار و جبار کا اثر نہ تھا جیسا کہ اب بھی بہت سی ہستیاں اسی خیال میں ہیں تو غالباً میں جھوٹ بولنے والا شمار نہ کیا جاؤں گا۔ ایسے

نازک وقت میں ایک شخص کا بھی ہم خیال بنالینا بڑی کامیابی ہے۔(۳)

آزادی کا نام زبان سے نکالنا بھی خودکشی کے مترادف خیال کیا جانے لگا تھا لیکن ان چنگیزی مظالم کے باوجود انگریز اس جماعت حقانی کے قلوب سے شعلہ ہائے حریت نہ نکال سکا تھا جس نے برصغیر کے کثیر الآباد خطہ یوپی کے معروف قصبہ تھانہ بھون کے قریب شاملی کے میدان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا، یہ جماعت ان بوریہ نشین درویشوں پر مشتمل تھی جو محض رضائے خداوندی اور حفاظتِ شریعت (جس میں انسانی حقوق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے) کی خاطر اپنے وطن سے ظالم انگریز کو نکالنے کا پکا عزم کر چکے تھے، جن کے رگ وپے میں آزادی کا خون دوڑتا تھا، جو استقامت کے پتلے تھے، توکل علی اللہ جن کا سرمایہ تھا، مصیبتوں کو برداشت کرنا جن کی فطرت تھی، جن کا سر بارگاہ ایزدی کے سوا کہیں جھک نہ سکا تھا، جس جماعت کی قیادت اگر ایک طرف حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جیسے عارف باللہ کر رہے تھے تو دوسری طرف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے مجاہد ربانی اور آئمہ یزدانی اس کے سپہ سالار تھے اور ان کے ساتھ حافظ محمد ضامن شہیدؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، نواب بہادر خان، مولانا تفضل حسینؒ اور ان جیسے مخلصین واتقیاء کی ایک بہت بڑی جماعت اس مقدس فریضہ کی تکمیل کر رہی تھی۔ اس جماعت حقہ کے مخلص ارکان رات میں بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہو کر مالک ملک سے دعائیں کرتے اور ان میں اپنی ہمت وجرأت اور پختہ عزم کا اظہار کر کے رب ذوالجلال سے مدد کے طلب گار ہوتے۔(۴)

۱۸۵۷ء اور اس کے بعد انگریزوں نے ظلم وبربریت کا جو بازار ہندوستان میں گرم کیا تاریخ انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۷ء تک کے عرصہ میں تقریباً ایک کروڑ تیس لاکھ کے لگ بھگ ہندوستانیوں کو انگریز نے قتل کیا۔ اس زمانہ میں دہلی کے چاندنی چوک سے گزرنے والی نہر کا پانی عرصہ دراز تک خون آلود رہا۔ اس درندگی کے اثرات ونتائج سے بچنے کے لیے انگریز نے ان مظالم کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں:

انگریزوں نے اپنی وحشیانہ درندگیوں کو چھپانے اور اہل ہند (ہندو اور مسلمانوں) کو شیطان اور وحشی وغیرہ ثابت کرنے کے لیے سو سے زیادہ تصانیف تحریر کیں۔(۵)

مگر اہل حق علماء کرام اس تمام صورتحال کا بغور جائزہ لے رہے تھے اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ روا رکھی جانے والی اس درندگی کی تلخی محسوس کر رہے تھے۔ جھوٹ، فریب، لالچ اور دہشت گردی کے ذریعہ راہ حق سے انہیں ہٹانا ممکن نہ تھا، ان آزادی پسند علماء ربانی نے ملی ،قومی اور انسانی ذمہ داری سمجھ کر اس مصیبت سے چھٹکارے کی راہیں تلاش کرنا شروع کیں۔

دار العلوم کا قیام:

چنانچہ ابھی ۱۸۵۷ء کے معرکہ آزادی کو مشکل سے دس سال ہی کا عرصہ گزرا تھا اور انگریز کے خوف ناک مظالم ابھی لوگوں کے دلوں سے مٹے نہ تھے کہ مذکورہ مبارک جماعت کے افراد ۱۸۵۷ء کی شکست کا بدلہ لینے، ہندوستانی قوم پر ہونے والے ظلم کو روکنے اور مکمل آزادی کے حصول کے لیے میدان عمل میں نکل آئے اور یوپی کی ضلع سہارنپور کے چھوٹے سے قصبہ دیوبند کی مردم خیز سرزمین پر ایک عظیم الشان انسان نے اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی ایماء پر اپنے رفیق فکر و عمل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تعاون سے اسلامی درس گاہ اور علمی و عملی تربیت گاہ کی بنیاد رکھ دی جس نے آگے چل کر دین اسلام کی حقیقی تعلیمات کا تعارف، غلبہ دین، برعظیم ہند کی آزادی، قومی خود مختاری اور وطن کے باسیوں کے لئے بلا تفریق مذہب عظیم تر خدمات انجام دیں جن کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس عظیم انسان کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نام سے دنیا جانتی ہے۔

دار العلوم دیوبند کی علمی، عملی اور روحانی اثر انگیزی اور اہمیت کا اندازہ امام ربانی سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے کہ جب بانیان دار العلوم دیوبند میں سے ایک بزرگ حضرت حاجی رفیع الدینؒ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو وہاں حضرت حاجی امداد اللہؒ سے عرض کیا کہ "حضرت! ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے، اس کے لئے دعا فرمائیں" حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کے جواب میں

فرمایا: سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے، لیکن آپ کو یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑ گڑاتی رہیں کہ خداوندا! ہندوستان میں بقاء اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا فرما۔ یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ یہ دیوبند کی قسمت ہے کہ اس گراں قدر دولت کو یہ سرزمین لے اڑی۔(۶)

یہ ۱۸۶۸ء کا زمانہ تھا اسلام اور مسلمانان ہند کے خلاف عیسائی مشنریوں کا ایک طوفان تھا جو اُمنڈتا چلا آرہا تھا جس کا بنیادی مقصد مقامی آبادی اور بالخصوص مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کر کے انہیں فکری شکست قبول کرنے پر مجبور کرنا تھا اور قومی آزادی کی کوششوں کو فرقہ وارانہ راہ پر ڈال کر تحریک آزادی کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنا تھا۔ انگریز چاق و چوبند اور ہر انقلابی کوشش کو کچلنے کے لیے ہر طرح کے حربے اختیار کر رہا تھا، انگریزی جاسوسوں کا جال پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا مگر یہ باتیں ان علماءِ حق (جو درحقیقت اپنے دور میں وارثانِ انبیاء تھے) پر اثر انداز نہ ہو سکیں اور انہوں نے نئے دلولہ سے ایک نئے عزم کے ساتھ ایک اچھوتے طریقہ سے آزادی اور اسلام کی حفاظت کے لیے دارالعلوم کی تحریک کا آغاز کیا جس کا مقصد فروغ علم دین قرار دیا گیا اور در پردہ آزادی ہند(۷) کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش بھی برابر جاری رہی جس کا اندازہ آنے والے واقعات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔(۸)

دارالعلوم کے قیام کا اصل منشاء:

یہاں یہ بات پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی ایسے مدرسہ یا خانقاہ کا نام نہیں تھا جہاں دنیا اور اس کے مسائل سے قطع تعلقی اختیار کر کے چند کتابوں کی تعلیم دی جاتی ہو یا چند رسمی اعمال کی تربیت ہوتی ہو، یہ تو تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کا تسلسل ہے، فرق صرف ظاہری تھا، یہ تحریک آزادی پر علم کی چادر تھی۔ دارالعلوم دینی تعلیم و تربیت کے ذریعہ جدوجہد آزادی کا مرکز تھا، یہ وہ جگہ ہے جس کی تاسیس سے پہلے اہل باطن اس طرف متوجہ رہے اور اپنی تاسیس کے بعد آزادی پسند لوگوں کا مضبوط قلعہ بنا۔ مسجد چھتہ سے دارالعلوم کا آغاز ہوا، اس کے بعد جس جگہ دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی وہاں آج بھی نودرہ موجود ہے، اس جگہ سے جب حضرت

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا گزر ہوا تو فرمایا اس جگہ سے علم کی خوش بو آتی ہے۔اسی قسم کی ایک روایت حضرت سید احمد شہیدؒ کے متعلق بھی ہے۔سید احمد شہیدؒ انگریز کے خلاف جنگی تیاری اور انتظامات میں مصروف تھے تو اس زمانہ میں کافی عرصہ دیوبند قیام کیا اور سید احمد شہیدؒ کے بیشتر رفقاء دیوبند ہی کے باشندے تھے اور ان میں سے کئی بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔(۹)

دارالعلوم دیوبند کے آغاز قیام ہی سے ان لوگوں نے اس کی تعمیر وترقی، مقاصد کے تعین اور ان کے حصول میں کردار ادا کیا ہے جن کی اصل پہچان دینی تعلیم وتربیت کے ذریعہ ہمہ جہت معاشرتی تبدیلی برپا کرنے اور انگریز کے غاصبانہ نظام کے خلاف قوۃ مہیا کرنا تھی چنانچہ دارالعلوم دیوبند (وقف) کے شیخ الحدیث مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودیؒ جو کہ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے صاحبزادے ہیں لکھتے ہیں:

جب دلی پر فرنگی تسلّط کی بناء پر اس مرکزی شہر (دلی) میں بیٹھ کر لگائی ہوئی آگ کی چنگاریاں اطراف و جوانب میں پھیلانا ممکن نہ رہیں تو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، یہ دونوں داعیان حق اس امانت کو لے کر ضلع سہارنپور کے مشہور ''قصبہ دیوبند'' میں پہنچ گئے گویا کہ حریت پسندی، آزادی وطن، غیر ملکی اقتدار کو اکھاڑ پھینکنے کا جذبہ، بے اختیار ''دلی'' کی سرزمین سے ''دیوبند'' کی جانب منتقل ہوگیا اور اپنی خصوصی کوششوں کو جن کا تمام تر تعلق ملکی آزادی کا حصول تھا، علم ودانش کے حسین نقاب (پردہ) کے تحت جس انداز پر شروع کیا گیا اس کی پوری داستان ''دارالعلوم دیوبند'' سے وابستہ ہے۔(۱۰)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند درحقیقت ''ولی اللہی جماعت'' کی وہ امانت تھی، جسے ''دلی'' کے مکتبہ فکر سے قریبی روابط رکھنے والوں نے بعض اہم مصالح کے پیش نظر ''دیوبند'' منتقل کردیا تھا، اور جس پر علم ودانش کا پردہ بظاہر ڈال دیا گیا، لیکن وہ اندرونی طور پر ایک ایسی فوجی چھاؤنی تھی جس کی مشین پوری تیزی کے ساتھ برطانوی اقتدار کے خلاف مسلسل پرزے ڈھال رہی تھی۔یہی نہیں بلکہ دیوبند کے قرب وجوار اور اس کے مضافات میں جو خانقاہیں (۱۱) تعمیر باطن اور کردار سازی کا کام کررہی تھیں، ان کے بارے میں بااعتماد ذرائع سے معلوم

ہوا ہے کہ آزادی وطن تک ان میں خفیہ "بیعت جہاد" بھی لی جاتی تھی، اس سلسلۃ الذہب (۱۲) کی آخری کڑی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت جہاد کرنے والوں میں مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ (شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ) و نانا محترم حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ) سے اس حقیقت کی تصدیق خود راقم الحروف (مولانا انظر شاہؒ) نے کی اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں "خانقاہ تھانہ بھون" کے علاوہ ہر خانقاہ میں ان جذبات کی خاص پرورش اور نگہداشت کی جاتی، جن کا مقصد "برٹش اقتدار" کے خلاف ان جذبات پر مبنی تھا کہ "تخت یا تختہ" (۱۳)

دارالعلوم دیوبند کی ۱۰۰ صد سالہ تقریبات منعقدہ ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء کی افتتاحی نشست میں خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب قاسمیؒ نے دارالعلوم دیوبند کے مقاصد، پس منظر اور اس جدو جہد سے برآمد ہونے والے نتائج پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"ان ساری قومی و بین الاقوامی آزادیوں کا خاموش رہنما بھی جامعہ دارالعلوم دیوبند تھا، جس کے فضلاء نے درس و تدریس کے ساتھ مختلف قومی سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں اتر کر تحریکات کے ذریعے اس ملک میں آزادی کی روح پھونکی اور ۱۸۵۷ء ہی سے پھونکنی شروع کردی تھی جبکہ ملک کے دوسرے حلقے خوف زدہ اور خاموش تھے یا خوشامد میں لگے ہوئے تھے۔ ان بزرگوں نے غاصب انگریزوں کا مقابلہ ابتداً آہنی تلوار سے کیا پھر امن اور علم کی ناقابل شکست طاقت سے (کے ذریعہ) نبرد آزما ہوئے اور علمی رنگ سے یہ جذبات دوررس ثابت ہوئے اور آزادی کی لہریں دور دور تک پھیلیں جس سے اس جامعہ کے مؤسس فضلاء اور روشن ضمیر حلقوں کی سنہری تاریخ بھری ہوئی ہے۔" (۱۴)

موصوف ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں:

"دارالعلوم دیوبند کی تحریک کا جامع نصب العین صرف تعلیم ہی کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ اس کے ضمن میں آزادی پسندی، غلامی شکنی، اسلامی اتحاد، وطنی اتحاد، قومی خودمختاری، حق خودارادیت، معاشی استغناء، وسائل قوت کی فراہمی، رابطہ عوام وغیرہ کے ملے جلے جذبات کارفرما تھے۔ (۱۵)

دارالعلوم دیوبند کے یہ مقاصد کسی عام آدمی کے بیان کردہ نہیں ہیں بلکہ واقف حال، بانی دارالعلوم کے پوتے اور ایک عرصہ تک دارالعلوم کے مہتمم رہنے والے کے ہیں۔ مولانا قاری محمد طیبؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

شاملی کا میدان اوردارالعلوم کی زمین ایک ہی حقیقت کے دورخ تھے فرق تیغ وسناں (۱۶)وقلم وزبان کا تھا، وہاں جنگ کے ساتھ آزادی ملک وملت اور آزادی مذہب ودین کا نصب العین سامنے تھااور یہاں عدم تشدد کے ساتھ علمی، اخلاقی اور آئینی رنگ میں وہی منصوبہ پیش نظر تھا، وہاں اس نصب العین کے لیے افراد استعمال کیے جارہے تھے اور یہاں اس کے افراد بنائے جانے لگے، وہاں نام میدان جنگ کا تھااور یہاں نام مدرسہ ومکتب اور امن وصلح کا تھا۔ وہاں قلب ودماغ کے اشاروں پر ہاتھ پیر کام کررہے تھے اور یہاں براہ راست دل و دماغ نے خوداپنے تصرفات دکھلائے۔

غرض حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے میدان شاملی کے نتائج پیش رکھ کر دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اوراس کے اصول اور نظام کارکوایسے انداز پر اٹھایا کہ شاملی کے میدان کی تلافی ہواور جومنصوبہ اس وقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکا وہ اب ہوجائے۔(۱۷)

گویا شاملی کا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا صرف رخ بدلا ہےاور ہتھیاروں کی نوعیت تبدیل ہوئی ہے۔ یہی علماء جو ۱۸۵۷ء کے بعدان اصولوں کے زیرسایہ مدارس کی خلوت گاہوں میں خاموش بیٹھ گئے تھے، وہ بالآخراسٹیجوں کی جلوت گاہوں میں اس شان سے اچانک نمایاں ہوئے کہ چاروناچاران کے کارآمد ہونے کوتسلیم کرلیا گیااور پھرعوامی تحریکات اکثر وبیشترانہی کی قوت کے ہاتھوں چلیں اور آگے بڑھیں۔ بانی دارالعلوم کوآزادی پسند ملی حکمت عملی کی کامیابی پراس قدراعتماد تھا کہ ایک موقع پر مسجد چھتہ جسے بعد میں دارالعلوم کی شکل دی گئی اس کے اہم اراکین میں سے ایک اساسی رکن حاجی محمد عابد صاحبؒ نے جب اپنے اس خدشہ کاذکر کیا کہ:

اب ہندوستان کی حکومت، انگریزوں جیسی مدبراورقوی قوم کے ہاتھ میں آگئی ہے اوران کے پنجے ایسے جم گئے ہیں کہ اب وطن کی آزادی بظاہر ممکن نظر نہیں آتی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کمال خوداعتمادی سے فرمایا:

حاجی صاحبؒ آپ کیا فرمارہے ہیں؟ ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا لوگ سوئیں گے انگریزوں کی حکومت میں اور صبح کو جاگیں گے دوسری حکومت میں۔(۱۸)

چنانچہ اسی (۸۰) سال کے بعد ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ایسا ہی ہوا، دارالعلوم کے قومی سیاسی کردار کی اہمیت کو ہند کے تمام باشعور حلقے تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن (۱۹۸۰ء) کے موقع پر ہندوستان کی وزیراعظم اندرا گاندھی نے اجتماع عام میں کہا تھا کہ ہندوستان کی آزادی میں دواداروں کا بنیادی کردار ہے، ایک کانگریس اور دوسرا دارالعلوم دیوبند۔(۱۹)

اکابرین دارالعلوم نہ صرف علمی میدان کے قائد تھے بلکہ وہ امور انتظامی میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے، ایک مرتبہ دارالعلوم کے جلسہ کے موقع پر مولانا فریدالدینؒ (جو سید احمد شہیدؒ کے رفقاء میں سے تھے) کے فرزند شاہ رفیع الدینؒ نے جو دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے ہیں، نے ایک اجتماع کے بہت اچھے انتظامات کیے تو احباب نے اسے سراہا تو اس پر کہنے لگے:

''یہ تو خیر جلسہ ہی ہے ہم کو تو اگر سلطنت بھی سپرد کردی جائے تو انشاء اللہ اس کا بھی ایسی ہی سہولت واطمینان اور حسن وخوبی کے ساتھ انتظام کرکے دکھلادیں''۔(۲۰)

اس دارالعلوم کے پہلے طالب علم محمود حسن تھے جو بعد میں دنیا کے افق پر ''شیخ الہند'' بن کر چھاگئے۔

شیخ الہندؒ کی تعلیم:

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء (۲۱) میں بریلی میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ مولانا ذوالفقار علیؒ ان نفوس قدسیہ میں سے تھے جو دارالعلوم دیوبند کی پہلی مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کا سلسلہ نسب حضرت عثمان غنیؓ سے جاملتا ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی، ابتدائی کتابوں سے آگے بڑھے تو

انہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سپرد کردیا گیا۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا قیام اس وقت میرٹھ میں تھا اور منشی ممتاز علی کے مطبع میں ایڈیٹر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے تھے۔۱۸۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو حضرت شیخ الہندؒ دیوبند تشریف لائے اور دارالعلوم میں داخل ہو گئے اور مولانا محمودؒ عرف ملاں محمود، مولانا محمد یعقوبؒ ابن حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ اور سید احمد دہلویؒ سے علوم کی تکمیل کی، اور ۱۸۷۳ء میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے۔(۲۲)

مسند تدریس :

دارالعلوم ہی میں تدریس کا سلسلہ آپ نے اسی وقت سے شروع کردیا جب آپ آخری کتابیں پڑھ رہے تھے، جبکہ فراغت کے بعد ۱۸۷۴ء میں معاون مدرس کی حیثیت سے ان کا تقرر عمل میں آیا لیکن ایک سال تک آپ نے اس خدمت کی کوئی تنخواہ نہیں لی۔اس سے اگلے سال مدرس چہارم کی حیثیت سے آپ کو متعیّن کیا گیا اور پندرہ روپے وظیفہ مقرر ہوا۔بعد ازیں آپ عہدۂ صدرمدرس پر فائز ہوئے جس کی نوعیت سمجھنے کے لیے مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے یہ الفاظ توجہ طلب ہیں:

دارالعلوم کا عہدہ صدارت تدریس محض مدرسی کا عہدہ نہیں بلکہ رہنمائی و رہبری کا عہدہ رہا ہے جس پر آنے والے کے علمی اثرات سے قلوب متأثر و مستفید رہتے آئے ہیں۔لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ رہبری، فقہ کے کسی خاص مکتبۂ فکر یا تصوف کے کسی خاص سلسلۂ رُشد و ہدایت کی نہ تھی، نہ کسی خانقاہ کی سرپرستی یا کسی صاحب سلسلہ کی خلافت سے حاصل ہوتی تھی۔دارالعلوم کے عہدہ صدر مدرس کو کسی کالج کی پرنسپل شپ یا کسی جامعہ کی وائس چانسلر شپ سے بھی متماثل قرار نہیں دینا چاہیے کہ محض تعلیم و تدریس میں رہنمائی و نگرانی اور چند انتظامی امور کی انجام دہی سے اس کا تعلق ہو۔(۲۳)

کیونکہ دارالعلوم نہ محض ایک رسمی درسگاہ تھی نہ کوئی روایتی خانقاہ ، بلکہ دارالعلوم ،اسلام کے احیاء اور مسلمانوں کی زندگی کے قیام اور سیاسی آزادی کی تحریک کے لیے مرکز کی

حیثیت رکھتا تھا، دارالعلوم بیک وقت دینی وسیاسی تعلیم گاہ اور تربیت کا مرکز تھا، حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے علوم دینی اور سیاست کی تعلیم بھی حاصل کی تھی اور تربیت بھی پائی تھی، اب اس تحریک کے مجاہدوں کی تعلیم وتربیت دینی وسیاسی کی ذمہ داری آپ پر تھی ۔حضرت شیخ الہندؒ کا پڑھانے کا طریقہ بالخصوص حدیث اور فقہ کے مختلف اقوال کو بیان کرنے اوران میں ہم آہنگی اور ترجیح دینے کا وہی طریقہ تھا جو ہندوستان کے نامی گرامی علمی خاندان حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کا تھا۔(۲۴) حضرت شیخ الہندؒ کی تعلیم وتربیت کا کوئی ایک بندھا ٹکا انداز اور سانچا نہ تھا جس میں کسی خاص ذوق اور مخصوص قسم کی سیرتوں کو ڈھال دیا جاتا تھا۔حضرت کی تربیت کا کمال یہ تھا کہ ہر طالب وشائق کو اس کے ذوق کے مطابق درس وتدریس،وعظ وتبلیغ،سلوک وطریقت،تالیف وتدوین،علوم ومعارف،حکمت ،فلسفہ وسیاست اور قومی وملی خدمات کے میدان میں تربیت سے باکمال اور صرف ہمت سے بے مثال اور نادر بنادیا تھا۔(۲۵) آپ کی تدریس،خشک اور جامد زہد وتقویٰ کی تلقین نہیں کرتی تھی بلکہ آپ کی تربیت سے نہ صرف فخر روزگار دانشمند تیار ہوئے بلکہ وہ حریت پسندی وجہاد آزادی کے سرفروش قافلہ کے سالار بھی تھے آپ نے ایسے حضرات کو پیدا کیا جو آسمانِ علم و سیاست کے روشن ستارے مانے جاتے ہیں۔

انجمن ثمرۃ التربیت:

حضرت شیخ الہندؒ نے دوران تعلیم جہاں اپنے استاد کے علوم کو حاصل کیا تھا اس کے ساتھ اس نظریئے اور سیاسی جدوجہد کے مقاصد کو بھی گہرائی سے سمجھا تھا جس کے لیے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی ۔ایک طرف تو دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں دیدہ ور علماء اور مفکر فضلاء پیدا کررہا تھا اور دوسری طرف ان علماء اور فضلائے دیوبند کے اندر حریت اور آزادی ہند کے شعلے اندر ہی اندر بھڑکا رہا تھا۔یہ حریت کے شعلے جو جہاد کی شکل میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سینے میں بھڑک رہے تھے،ان سے منتقل ہوکر ان کے شاگردوں کے سینوں میں جا بھڑکے،خاص طور پر مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا وغیرہ کے سینے میں اور پھر یہ آگ

بن کر دھول کی طرح تمام علماء حریت پسند کے سینوں میں بھڑکی (۲۶) دارالعلوم کے قیام پر ابھی ایک دھائی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ ۱۸۷۸ء میں اس تحریک کے مجاہدوں کی تعلیم و تربیت، اسے تنظیمی ڈھانچہ دینے اور سیاسی امر کی ادائیگی کی ذمہ داری آپ نے سنبھال لی۔ چنانچہ دارالعلوم سے فراغت پانے والے اور اپنے ساتھ منسلک طلبہ کی سیاسی تربیت کے مقصد کے پیش نظر آپ نے اپنے استاد جلیل مجاہد حریت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ایماء پر فضلاء اور بہی خواہان تحریک دارالعلوم کی ایک انجمن ''ثمرۃ التربیت'' کے نام سے قائم کی۔

اس جمعیت عظمٰی میں حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ اٹھارہ اور مرکزی ارکان تھے جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا احمد حسنؒ امروہوی	۲۔ مولانا فخر الحسنؒ گنگوہی
۳۔ مولانا عبد الحقؒ پرقاضوپی	۴۔ مولانا محمد فاضلؒ دیوبندی
۵۔ مولانا میر محمد صادقؒ مدراس	۶۔ مولانا عبد القادرؒ دیوبندی
۷۔ مولانا فتح محمدؒ تھانوی	۸۔ مولانا عبد اللہؒ انبیٹھوی
۹۔ مولانا محمد مرادؒ ساکن پاکپتن	۱۰۔ مولانا عبد اللہؒ گوالیاری
۱۱۔ مولانا عبد العلیؒ عبد اللہ پوری میرٹھی	۱۲۔ مولانا نہال احمدؒ دیوبندی
۱۳۔ مولانا عبد اللطیفؒ سہارنپوری	۱۴۔ مولانا عبد اللہؒ جلال آبادی
۱۵۔ مولانا محمد اعلیٰؒ انبیٹھوی	۱۶۔ مولانا محمد عبد العدلؒ پھلتی
۱۷۔ مولانا کوثرؒ نگینوی	۱۸۔ مولانا کرامت اللہؒ دہلوی (۲۷)

انجمن ثمرۃ التربیت کا مقصد:

اس انجمن کا مقصد اصلی کیا تھا؟ اس حوالہ سے مؤرخ تحریک آزادی مولانا محمد میاںؒ کا یہ تجزیہ لائق مطالعہ ہے:

۱۸۷۸ء سے تقریباً چالیس سال بعد (۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۳ء) احقر (مولانا سید محمد میاںؒ) نے دارالعلوم سے استفادہ کیا۔ اس وقت دارالعلوم کے ذہین اور ترقی پذیر طلبہ کے جذبات یہ

تھے کہ انگریز کی غلامی سے گلوخلاصی ایک خوددار مسلمان بالخصوص حاملین دین کا فرض اولین ہے، طلبہ اسی جذبہ کو نمود زندگی اور جوہر حیات سمجھتے تھے۔اپنی فہم کے مطابق اس جذبہ کی جلوہ آرائی کے لیے اپنے دماغوں میں نقشے بناتے اور متحرک قسم کے طلبہ پارٹی کا ڈھانچہ بھی تیار کرلیتے تھے۔دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کی یہ سوچ شروع دن سے ہی تھی اور دارالعلوم کے طلبہ میں یہ جذبات سینہ بسینہ چلے آرہے تھے چنانچہ سید محمد میاںؒ حضرت شیخ الہندؒ کے دور کے طلبہ کے احوال کے تذکرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں: مولانا محمود حسنؒ جن طلبہ کے رفیق اور ہم درس تھے ،ان کا نظریہ یہ تھا کہ یہ دارالعلوم اسی لیے قائم کیا جارہا ہے کہ ایسے مردان کار پیدا کیے جائیں جن کے ذریعہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی ہوسکے۔

شیخ الہندؒ اپنے استاد کے تلمیذ خاص اور ہمراز رفیق تھے لہذا آپ تحریک دارالعلوم دیوبند کے اصلی منشاء سے بخوبی واقف تھے۔

اس پس منظر کی بناء پر یہ کہنا بے جا نہیں کہ ''ثمرۃ التربیت'' سے فضلاء و متبعین دارالعلوم کی تنظیم ہی مقصود نہیں تھی بلکہ اصل مقصد ایسے باحوصلہ افراد کی تنظیم تھا جو قیام دارالعلوم کے مقصد یعنی ۱۸۵۷ء کی غلامی کی تلافی کے سلسلہ میں کام کرسکیں۔

مگر اس انجمن کو قائم ہوئے ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ ۱۲۹۷ھ /۱۸۸۰ء (۲۸) میں قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ انتہائی کم عمری یعنی ۵۰ سال سے کم عمر میں ہی انتقال کرگئے۔یہ حادثہ جانکاہ مستقبل کے شیخ الہندؒ کو کمر ہمت باندھنے پر مجبور کردیتا ہے اور آپ ثمرۃ التربیت کی تمام تر ذمہ داری سنبھال لیتے ہیں۔

استاد و مربی کے مشن کا فروغ:

شیخ الہندؒ کا اصل کام کیا تھا۔مولانا انظر شاہ مسعودیؒ تحریر کرتے ہیں:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک ہمہ گیر تحریک کی بنیاد نئے تقاضوں کے مطابق جس انداز پر کی اور اس کاروان جہاد کو برابر پیش قدمی کے لیے جو سپہ سالار اعظم دیا اس کا نام نامی ''مولانا محمود حسن المعروف بہ شیخ الہند ؒ'' ہے۔فرق اتنا ہے کہ دماغ حضرت

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا تھا اور آپ ہی کا فکر لیکن نئے حالات نئے ماحول اور نئی فضاء میں حضرت شیخ الہندؒ نے ان آتشین جذبات کو انگھیٹیوں میں محفوظ رکھنے کے بجائے، شعلے ان دل ودماغ میں بھی منتقل کرنا شروع کر دیئے جواب تک فرنگی ظلم واستبداد کی شدید گرفت کی وجہ سے کسی جدوجہد کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔(۲۹)

شیخ الہندؒ اپنے استاد کے مشن کو بام عروج اور پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہمہ تن مشغول ہوگئے اور متواتر تیس سال تک آزادی کے متوالوں کی تربیت میں پوری ہمت اور مکمل رازداری کے ساتھ سرگرم عمل رہے یوں یہ تحریک اپنے مقصد حقیقی کی طرف گامزن رہی اور ان چنیدہ افراد کے سینوں میں حریت اور مکمل آزادی کا شعور اور جذبہ بیدار کرتی رہی۔اس انجمن کی سرگرمیاں اگرچہ رکی ہوئیں نظر آتی تھیں لیکن قبائلی علاقوں میں حضرت شیخ الہندؒ ان علاقوں سے برابر رابطہ قائم کیے ہوئے تھے(۳۰) چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے لائق ترین شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو جو ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ/ ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء بروز ہفتہ میں دارالعلوم سے فارغ ہو کر اپنے وطن لوٹ گئے تھے، ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء میں دیوبند طلب فرمایا اور اس وقت کے حالات کے پیش نظر علمی کام کے ساتھ ساتھ سیاسی کام کرنے کی بھی تلقین فرمائی اور ان کو اپنی تحریک کا ایک اہم رکن منتخب کرلیا۔اس کے بعد مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کا سیاسی پروگرام لے کر اپنے وطن پہنچے اور اپنی عملی زندگی کا آغاز گوٹھ پیر جھنڈا حیدرآباد میں دارالرشاد کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر کے کیا اور سات سال تک اس مدرسہ کی نگرانی کرتے رہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس زمانہ میں سندھ کے گردونواح میں آزادی ہند کے لیے خفیہ طریقہ سے کام جاری تھا، جس کی قیادت سرزمین سندھ وجنوبی پنجاب کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ فرما رہے تھے۔دارالعلوم سے فراغت کے بعد مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی اس تحریک سے منسلک ہوگئے تھے کیونکہ حضرت مولانا محمد صدیق بھرچونڈیؒ کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ آپ کے پیرومرشد تھے لیکن ۱۳۱۰ھ کے بعد جب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا تعلق تحریک شیخ الہندؒ سے ہوا تو انہوں نے سندھی تحریک جہاد کو تحریک شیخ الہندؒ کے ساتھ مربوط کر کے حضرت شیخ الہندؒ کو زبردست سیاسی

قوت سے ہمکنار کیا۔حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے درمیان تعلق پیدا کرنے میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے عظیم الشان کردار ادا کیا،اسی طرح امروٹ میں حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ اسی اسپرٹ کے ساتھ تحریک آزادی کوفروغ دے رہے تھے اوراس مرکز کا بھی دارالعلوم دیوبند سے مسلسل رابطہ تھا۔

قیام سندھ کے زمانہ میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا خفیہ رابطہ برابر دیوبند سے رہا اور حضرت شیخ الہندؒ سے برابر مشورہ لیتے رہے اور ایک مرتبہ اپنے مدرسہ میں امتحان لینے کے بہانے سے حضرت شیخ الہندؒ کو سندھ کا دورہ کرایا اور یہاں پرہونے والے کام سے متعارف کرایا۔(۳۱)

جمعیۃ الانصار:

حضرت شیخ الہندؒ کے نزدیک دینی وسیاسی دونوں قسم کی تعلیم وتربیت کی ضرورت اور اہمیت تھی۔دینی تعلیم کے مرکز کی حیثیت سے سب سے اول دارالعلوم دیوبند تھا اور دوسرے شہروں میں بہت سے چھوٹے بڑے مدارس یہ خدمت انجام دے رہے تھے،لیکن سیاسی تعلیم وتربیت کا انتظام اس طرح نہ تھا۔ملک میں کوئی سیاسی تنظیم اور جماعت موجود نہ تھی جس کی عملی جدوجہد سے مسلمانوں کی ذہنی وفکری رہنمائی اور عملی تربیت کی ضرورت کسی نہ کسی حد تک پوری ہوتی رہتی۔اگر دارالعلوم میں مصروف تعلیم طلباء ہی کی سیاسی تعلیم وتربیت پر اکتفا کرلیا جاتا تو ایک طویل المیعاد منصوبہ تھا جبکہ ملکی حالات کا تقاضا دوسرا تھا۔اس لیے ایک درس گاہ کی حدود سے زیادہ وسیع حلقہ میں اپنے افکارسیاسی کی اشاعت اور حلقہ تلامذہ کے علاوہ سیاسی رجحان وفکر رکھنے والے نوجوانوں کی سیاسی تعلیم وتربیت بھی حضرت شیخ الہندؒ کے پیش نظر تھی۔اس مقصد کے لیے سب سے پہلے آپ نے ۱۸۷۸ء میں ثمرۃ التربیت کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔اس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے اس کے بعد ۱۹۰۹ء میں جمعیۃ الانصار کا قیام عمل میں آیا۔مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس کے ناظم تھے۔(۳۲)

دراصل جمعیۃ الانصار،انجمن ''ثمرۃ التربیت'' ہی کا نیا لیبل اور عنوان تھا جس کی

تائید مولانا محمد میاںؒ کے اس بیان سے ہوتی ہے:

۸۔ ۱۹۰۷ء کا ہنگامہ خیز دور (۳۳) جس میں بقول سر ڈینرل بٹس لیفٹیننٹ گورنر پنجاب، ہر جگہ لوگ کسی تبدیلی کے متوقع تھے ان کے دماغوں میں نئی ہوا بھری ہوئی تھی وہ منتظر تھے کہ ثمرۃ التربیت کے نام سے قائم اجتماعیت اور جدوجہد کا کیا نتیجہ نکلتا ہے یہ زمانہ حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کی جماعت کے لیے ایک حیات بخش دور تھا جس کی تمہید خفیہ طور پر ثمرۃ التربیت کے قیام کے ذریعہ تین دھائی پیشتر کی جا چکی تھی چنانچہ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں اس کو منظر عام پر لانے کا تہیہ کیا گیا اور جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک ہمہ گیر نظام کا خاکہ مرتب کیا گیا جس کی مقبولیت بھی اسی طرح ہمہ گیر ہوئی ہے۔ (۳۴) اس جماعت کی تاسیس کے حوالہ سے مولانا سید محمد میاںؒ لکھتے ہیں:

اکابر سے باوثوق طور پر سنا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اس تحریک سے بیشتر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ امروہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو جمع کر کے زمانے کی موجودہ ضرورتیں ان کے سامنے پیش کیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو ضعف قلب کا عذر پیش فرمایا اور باقی سب حضرات نے موافقت فرمائی۔ (۳۵)

اس اہم ترین جماعت کی تنظیمی ذمہ داری سنبھالنے کا شرف حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو حاصل ہوتا ہے جنہیں حضرت شیخ الہندؒ نے سندھ سے بلا کر یہ فریضہ سونپا، چنانچہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ ذاتی ڈائری میں خود تحریر فرماتے ہیں:

۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے دیوبند طلب فرمایا اور مفصل حالات سن کر دیوبند رہ کر کام کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کے ساتھ سندھ کا تعلق بھی قائم رہے گا۔ میں چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا، اس تحریک کی تاسیس میں مولانا محمد صادق سندھیؒ، مولانا ابو محمد لاہوریؒ اور عزیزی مولانا احمد علی لاہوریؒ میرے ساتھ شریک تھے۔ (۳۶)

جمعیۃ الانصار کے سرپرستوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریر کرتے ہیں:

۱۲ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ / ۲۳ اپریل ۱۹۱۰ء بروز ہفتہ کو دیوبند میں جلسہ" اجماع الانصار" منعقد ہوا جس میں علاوہ ۱۳۰ اراکین جمعیت کے استاذ العلماء حضرت مولانا محمود حسن مدظلہ، صاحبزادہ عالی جاہ مولانا مسعود احمد گنگوہی سلمہ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری مدظلہ، جناب حافظ محمد احمد اللہ مہتمم مدرسہ عالیہ، جناب مولانا حبیب الرحمٰن مددگار مہتمم مدرسہ عالیہ، سرپرستان جمعیۃ الانصار بھی شامل ہوئے۔ (۳۷)

دارالعلوم دیوبند کا جلسہ دستار بندی:

جمعیۃ الانصار کو عام ذہنوں تک پہنچانے کے لیے مناسب سمجھا گیا کہ سب سے پہلے خالص مذہبی پیرایہ میں اس کا ظہور ہو، جو اس وقت کی سیاست کے لحاظ سے نہایت ہی مدبرانہ اقدام تھا اور تعلیمی اداروں کی روایت کے مطابق بھی تھا۔ چنانچہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام دارالعلوم دیوبند میں کیا گیا جس میں ہندوستان کے اطراف واکناف سے تقریباً تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ یہ اجتماع اس زمانہ تک ہندوستان کی کسی جماعت کو نصیب نہیں ہوا تھا، اس لیے اس اجتماع کو اور پھر اس سے زیادہ اس کے حسن انتظام کو کرامت خیال کیا گیا، مگر جن حضرات کی نظر اس کے ستائیس، اٹھائیس سال قبل کے آغاز پر تھی وہ اس پر اس قدر تعجب نہ کرتے تھے اگرچہ کامیابی پر بہت زیادہ مسرور تھے۔ (۳۸)

اجتماع میں ہر طبقہ کے لوگوں نے شرکت کی، ان میں ایک قابل ذکر تعداد ان لوگوں کی تھی جو ثمرۃ التربیت کے قیام کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک میں شامل ہو گئے تھے، ان کو اس جلسہ کے ذریعے مل بیٹھنے کا سنہرا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس جلسہ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جمعیۃ الانصار کا تعارف، دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے والے طلبہ کی صالح اجتماعیت اور تنظیم کے طور پر ہو گیا۔

حضرت شیخ الہندؒ اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ:

حضرت شیخ الہندؒ کی دینی بزرگی اور سیاسی رہنمائی کا اعتراف مذہبی حلقہ ہی میں نہیں کیا گیا بلکہ سیاست کے دوسرے مکتبہ فکر یعنی علمائے علی گڑھ کے اکابر نے بھی کیا ہے، چنانچہ

مذکورہ بالا اجتماع میں تحریک علی گڑھ کے اکابر بھی شریک ہوئے اس جلسہ میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں جو بعد میں علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر قرار پائے، نے یہ تجویز پیش کی کہ دارالعلوم کے تعلیم یافتہ، علی گڑھ کالج میں انگریزی پڑھنے جایا کریں اور علی گڑھ کے گریجوایٹ دینی تعلیم کے لیے دیوبند آئیں۔ یہ تجویز نہایت مبارک خیال کی گئی اگر چہ اس کا ثمرہ نہایت تلخ تھا، یعنی پہلی مرتبہ جو طلبہ علی گڑھ سے عربی حاصل کرنے کے لیے آئے وہ انگریز کے سی آئی ڈی تھے جنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کو گرفتار کرانے میں اپنے تئیں ''وطن دوستی اور قوم پروری کا حق'' اداء کر کے انگریز بہادر سے سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی کا عہدہ حاصل کر لیا۔ (۳۹)

جلسہ مراد آباد:

اس کے بعد اپریل ۱۹۱۱ء میں شہر مراد آباد میں جمعیۃ کا پہلا باقاعدہ اجلاس منعقد ہوا، جس کی صدارت (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد خاص اور شیخ الہندؒ کے رفیق قدیم) حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ نے فرمائی، جلسہ میں مختلف مکاتب فکر کے علمائے دین اور زعمائے ملت نے شرکت فرمائی، یہ جلسہ نہایت تزک واحتشام کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ مولانا سید محمد میاںؒ اس جلسہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

جلسہ دستار بندی فضلائے دیوبند سے فراغت کے بعد جمعیت الانصار کے اجلاس کی تیاری کی گئی۔ جمعیت الانصار کا سب سے پہلا اجلاس ربیع الاول ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۵، ۱۶، ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء کو مراد آباد میں ہوا۔ اس جلسہ کا اجتماع بھی حیرت انگیز تھا اور باوجودیکہ شہر میں طاعون کے مرض کی شدت تھی تاہم اجتماع بے نظیر اور انتظام قابل رشک تھا۔ اس اجتماع کی فوری برکت یہ ظاہر ہوئی کہ شہر سے فوری طاعون ختم ہو گیا۔ (۴۰)

اگر چہ اس کا اہتمام طالب علموں نے کیا تھا لیکن برٹش حکومت سے جمعیۃ کے مقاصد اور شیخ الہندؒ اور ان کے تربیت یافتگان کے مقاصد فکر چھپے نہیں رہ سکتے تھے۔ رسماً ایک تجویز میں حکومت کا شکریہ بھی ادا کیا گیا تھا لیکن مولانا احمد حسن امروہویؒ کا خطبہ صدارت بہت کچھ بتا رہا تھا، آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں اس بات کی وضاحت کی کہ جمعیۃ الانصار

، دیگر اداروں کے فارغ التحصیل طلبہ کی اولڈ بوائے ایسوسی ایشن کی طرح بے مقصد اکٹھ نہیں ہے بلکہ اس کے قومی اور ملی مقاصد ہیں چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

''نئی روشنی کے شیدائی کہتے ہیں کہ جمعیۃ الانصار اولڈ بوائے ایسوسی ایشن کی نقل ہے لیکن یہ بات ہرگز صحیح نہیں۔ جمعیۃ الانصار کی تحریک غالباً اب سے تیس سال پہلے شروع ہوگئی تھی اور اس تحریک کے بانی مدرسہ عالیہ کے وہ طالب علم تھے جو آج علوم کے سرچشمہ اور فنون کے آفتاب ہیں اور جن کی ذات بابرکت پر آج زمانہ جس قدر بھی ناز کرے بجا ہے، لیکن یہ تحریک اس وقت ضروریات سے متفق نہ تھی اس لیے رک گئی اور آخر اس کلیہ کی بناء پر کہ ضرورت ہر چیز کو خود بخود پیدا کر دیتی ہے ۱۹۰۹ء سے اس انجمن کو دوبارہ زندہ کر کے جمعیۃ الانصار نام رکھا گیا۔ جمعیۃ الانصار ہرگز کسی انجمن کی نقل نہیں ہے اور نہ کسی کے ذاتی مقاصد سے بحیثیت دنیاوی اس کا تعلق ہے بلکہ اس کے وہ ضروری مقاصد ہیں جن کی آج بہت کچھ ضرورت ہے۔'' (۴۱)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء نے اپنی ہمہ گیر اور منظم تحریک کی ابتداء ثمرۃ التربیت سے کی تھی اور بعد میں ازسرنو تنظیم کے لیے جمعیۃ الانصار نام تجویز کیا۔ جلسہ مراد آباد کے بعد جمعیۃ کے پانچ، چھ جلسے ملک کے مختلف حصوں میں ہوئے جن میں شملہ، میرٹھ، دیوبند وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس جمعیۃ کے ذریعہ عوام سے رابطہ اور تعلق کی ایک صورت پیدا ہوئی اور مسلم سیاست پر جو کہ ایک عرصہ سے جمود طاری تھا اس میں کافی حد تک کمی آگئی تقریباً چار سال تک یہ انجمن باقاعدگی کے ساتھ اپنا کام انجام دیتی رہی اور لوگوں پر اس تحریک کا مثبت اور مؤثر اثر رونما ہوا۔

لیکن حکومت فرنگیہ کے کان بھی اس نئی تحریک کو دیکھ کر کھڑے ہونے لگے کیونکہ انگریز کو معلوم تھا کہ اس تنظیم کا قائد شیخ الہندؒ اس مجاہد کا تربیت یافتہ ہے، جس نے شاملی کے میدان میں انگریزی فوج کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دیا تھا اور حکومت وقت کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ اگر یہ تحریک چلتی رہی تو بہت جلد ہی انگریز کو ہندوستان سے دربدر ہونا پڑے گا، یہ رپورٹیں حضرت شیخ الہندؒ اور دارالعلوم کے منتظمین کو پہنچ رہی تھیں، جس کی بناء پر یہ خدشہ پیدا ہوا

کہ کہیں جمعیۃ الانصار کی وجہ سے حکومت دارالعلوم کونقصان نہ پہنچادے، اتفاق سے اس عرصہ میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور دارالعلوم کے بعض اساتذہ میں چند علمی مسائل میں اختلاف پیدا ہو گیا، تو حضرت شیخ الہندؒ نے بظاہران اختلافات کو بنیاد بنا کر مگر حقیقت میں تحریک کے دائرہ کار کی وسعت کے لیے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو دیوبند سے دہلی جانے کا حکم فرمایا اور یوں جمعیۃ الانصار کی نظامت سے آپ سبکدوش ہو گئے لیکن حضرت شیخ الہندؒ سے مسلسل رابطہ رہا، چنانچہ حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں: (حضرت سندھیؒ کا) حضرت شیخ الہندؒ سے تعلق میں (اس واقعہ کے بعد) کوئی فرق نہیں آیا۔ خفیہ آمدورفت جاری رہی۔ رات کی اندھیریوں میں دیوبند کے باہر ملاقاتیں ہوتی تھیں اور ضروری باتیں انجام دی جاتی تھیں۔ (۴۲)

نظارۃ المعارف القرآنیہ:

دہلی پہنچ کر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ۱۳ جون ۱۹۱۳ء/ ۸ رجب ۱۳۳۱ھ بروز جمعۃ المبارک (۴۳) میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک اجتماعی تربیت کا ادارہ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر قائم کیا جس کا مقصد جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی سیاسی تربیت کرنا اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ حکمت کے مطابق ہندوستان کے معروضی حالات میں سیاسی رہنمائی کرنا تھا۔ حضرت سندھیؒ اس کے ناظم قرار پائے جبکہ اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ اور نواب وقارالملکؒ برابر شریک تھے۔ (۴۴) یہ ادارہ بقول حضرت مولانا محمد میاںؒ، دردمندان حریت کے لیے تعلیم گاہ، تربیت گاہ، جائے اطمینان اور آزادی پسندوں کے لیے خفیہ مشورہ گاہ تھا۔ (۴۵)

اس مدرسۂ آزادی میں طلبہ میں جذبات حریت کیسے پیدا کیے جاتے تھے؟ اس کی ایک جھلک مولانا شائق عثمان کے اس بیان سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں:

نظارۃ المعارف دہلی کے دوران قیام ہم لوگوں کو کبھی مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس طرح کا مضمون لکھنے کو دیتے تھے کہ اگر تم کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنادیا جائے تو تم ملک کا نظام کس طرح چلاؤ گے۔ (۴۶)

دراصل اس حکمت عملی کے خدوخال شیخ الہندؒ نے طے کئے تھے جس کا مقصد دارالعلوم دیوبند سے باہر سیاسی تعلیم وتربیت کا مرکز قائم کرنا تھا۔ان مقاصد کی تکمیل اس اجتماعیت سے کیسے کی گئی اس بابت حضرت سندھیؒ کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت شیخ الہندؒ نے جس طرح چار سال اپنے پاس رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا تھا،اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے،اس غرض کی تکمیل کے لیے دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ سے میرا تعارف کرایا۔ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ سے ملایا۔اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانان ہند کی اعلیٰ سیاست سے میں واقف رہا۔(۴۷)

سیاسی حالات میں تبدیلی اور شیخ الہندؒ کا اقدام:

۱۹۱۲ء تک حضرت شیخ الہندؒ کا طریق کار وہی رہا جس کا اوپر کی سطروں میں تذکرہ ہوا ،یعنی تعلیم وتربیت دینی وسیاسی سے ایک ایسی جماعت تیار کردی جائے جو قیامِ شرع (شریعت)احیاء وتجدید ملت،ملکی سیاست اور آزادی کی جدوجہد میں اپنی ذمہ داریوں کا شدید احساس رکھتی ہو اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو۔(۴۸)

اس مقصد کے حصول کے لیے بلاشبہ نظارۃ المعارف القرآنیہ نے ایک عرصہ اعلیٰ درجہ کی فکری درسگاہ کے انداز میں کام کیا اور متعدد فضلاء پیدا کئے،مگر یہ ایسا دور تھا کہ بالغ النظر فضلاء اور گہری بصیرت والے دانشور وہ کام نہیں کر سکتے تھے،جو حضرت شیخ الہندؒ کے نزدیک اس دور کا جوہری کام تھا۔(۴۹)چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی اسی بابت حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

حضرت شیخ الہندؒ دہلی تشریف لے گئے اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے ملاقات کی اور دوران گفتگو فرمایا کہ جبکہ انگریزی حکومت اور اقتدار ہندوستان میں قائم ہے تو جس مدت تک تم اپنی اس تعلیم اور اس مدرسہ سے دس بیس آدمی صحیح الخیال مسلمان بناؤ گے اس مدۃ میں انگریز ہزاروں کو ملحد اور زندیق بنادیں گے۔(۵۰)

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے اس ارشاد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نظام کے اثرات بہت وسیع ہوتے ہیں اور باطل نظام ہر اچھی چیز کو ختم یا اس کے اثرات محدود کر دیتا ہے اس بناء پر حضرت شیخ الہندؒ انگریز کے اس باطل نظام اور اس کی غلامی سے برصغیر کو جلد از جلد آزادی دلانا چاہتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی اس سوچ کا پس منظر ہندوستان کی غلام حیثیت کے ساتھ بین الاقوامی حالات کی تبدیلی تھی، اس ضمن میں دو واقعات جنگ طرابلس اور جنگ بلقان خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کے ماتحت افریقہ کے ساحلی علاقوں پر واقع کئی ریاستوں پر برطانیہ اور فرانس نے غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا مگر بوجوہ طرابلس (لیبیا) ان کے قبضہ میں نہ آسکا۔ اٹلی نے برطانیہ اور فرانس سے خفیہ معاہدہ کرلیا کہ جونہی موقع ملے گا اٹلی طرابلس پر قبضہ جمالے گا اور یہ دونوں ملک خاموش رہیں گے مگر اس خفیہ معاہدہ کے باوجود اٹلی نے اعلانیہ طور پر ہمیشہ یہی کہا کہ اٹلی، طرابلس کو خودمختار دیکھنا چاہتا ہے، حقیقت میں یہ سب جھوٹ تھا، چنانچہ اٹلی نے اچانک طرابلس پر حملہ کر دیا اور ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں طرابلس پر اٹلی نے بے پناہ خون بہانے کے بعد قبضہ کرلیا، اسی زمانہ میں برطانیہ نے سازش کر کے بلقان کی ریاستوں کو خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور بہت قتل وخون ہوا باوجودیکہ برطانیہ، بلقانی ریاستوں کی حفاظت کے کئی وعدے کر چکا تھا مگر اس جنگ میں اس نے بہت سفاکانہ رویہ اپنایا اور دیگر یورپی ممالک سے مل کر ان ریاستوں کی بندر بانٹ کی۔

۱۹۱۲ء میں جنگ طرابلس اور کارزار بلقان کے سنگین واقعات اور برطانوی پالیسی نے شیخ الہندؒ کی روح کو تڑپا دیا، جس کی وجہ سے برٹش حکومت سے ان کا جذبہ نفرت اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ حکومت برطانیہ کی خلافت عثمانیہ دشمنی واضح ہو چکی تھی، ترکوں پر ظلم وستم اور ان پر مصیبتوں کی خبروں نے ان کا خواب حرام کر دیا۔ اس زمانے میں ان کی بے چینیوں اور بے قراریوں کا عالم دیدنی تھا، ان کا نحیف ونزار جسم بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ انہوں نے دارالعلوم کو بند کر دیا۔ طلباء کے وفود ملک میں بھیجے، خود بھی نکلے، چندہ جمع کیا اور ترکوں کی امداد کے لیے جو کچھ ہوسکتا تھا کیا۔ ترکی میڈیکل مشن بھجوانے کا انتظام کیا اور اس کے لیے اسباب مہیا کرنے اور اسباب کی فراہمی کا انتظام کیا۔ بقول مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا نے تھوڑی مدت

میں بہت کچھ کامیابی حاصل کرلی اورکام کرنے والوں کے لیےشاہراہ عمل قائم کردی۔(۵۱)

مذکورہ بالا حالات اور پہلی جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کو دیکھ کر ہر مسلمان کا دل روررہا تھا، پورے عالم میں ایک سنسنی تھی،حزن وملال کے بادل محبان وطن کے دلوں پر چھائے ہوئے تھے۔اب ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول چھڑگئی ،اور برٹش حکومت پر ضرب لگانے اور آزادی کی منزل کوقریب لانے کے لیےامید کی ایک کرن نظر آنے لگی۔یہ حالات اس بوریہ نشین،ہند کے عظیم ترین انقلابی قائداور مستقبل کے شیخ الہندؒ پر بھی اپنا اثر کیے بغیر نہ رہ سکے۔ بقول مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ:

دیکھنے میں لاغرونحیف تھا مگر سینہ میں صبرواستقامت کاایک کوہ گراں رکھتا تھا۔بظاہروہ اپنے گوشہ عزلت میں سب سے الگ تھا لیکن اس کی نظر جہاں بین میں زمانہ کی تمام کروٹیں اور لیل ونہار کی تمام گردشیں سمٹ کرجمع ہوگئی تھیں،عمر کے لحاظ سے بھی شباب کی منزل سے بہت آگے نکل چکا تھا لیکن اس کے دردوگداز اور جذب وسوز کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی خلوتوں اورجلوتوں میں ،رات کی تاریکیوں اور دن کے اجالوں میں کبھی جنگ بلقان وطرابلس کے واقعات پڑھ کر آنسو بہاتا تھااورکبھی اپنے ملک کی زبوں حالی ودرماندگی پرنوحہ کناں ہوتا تھا۔(۵۲)

شیخ الہندؒ کا منصوبہ آزادی:

ان حالات کے رونما ہونے سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ کا یہ منصوبہ تھا کہ تحریک کے نمائندے اپنی اپنی جگہ پہنچ کر دینی مدرسوں کے قیام کے لیے جدوجہد کریں اورساتھ ہی عوام الناس میں جذباتِ حریت کو ابھارتے رہیں اور افرادی ،مالی اورعسکری وسائل کے لیے کوشاں رہیں تا آنکہ میدان بالکل ہموار ہوجائے اور ہرطرف سے حمایت کی اُمید یقینی ہو جائے تو ایک تاریخ میں یک لخت پورے ہندوستان میں بغاوت کردی جائے اورکسی دوسرے ملک کی مدد سے یاغستانی آزاد قبائل کی طرف سے ملک پرحملہ کردیا جائے۔ظاہر ہے کہ اس منصوبہ کوعملی جامہ پہنانے کے لیےایک طویل زمانہ انتظار کی ضرورت تھی لیکن خدا کا کرنا کہ مندرجہ بالاواقعات سے پورے ملک میں بیداری کی ایک لہر پھیل گئی۔پہلی جنگ عظیم شروع

ہو جانے کی وجہ سے انگریز کو کسی بھی طریقہ سے نقصان پہنچانا ضروری ہو گیا لہٰذا تحریک جہاد فوراً شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ (۵۳)

یاغستان میں آزاد، منظّم حکومت کی ضرورت:

حضرت شیخ الہندؒ نے موجودہ صوبہ سرحد میں قائم حریت پسندوں کے مرکز یاغستان کو جہاں مولانا سیف الرحمٰنؒ، حضرت حاجی ترنگ زئیؒ وغیرہ حضرات موجود تھے، حاجی ترنگ زئیؒ کا اصل نام حاجی فضل واحد تھا جو حضرت مولانا نجم الدینؒ ہڈے ملا، خلیفہ حضرت اخوند مولانا عبدالغفور سواتیؒ کے خلفاء میں سے تھے یہ حضرات عرصہ سے جماعت کی ضروریات کو پورا کر رہے تھے، ان کو پیغام بھیجا کہ اب سکون کے ساتھ کام کرنے کا وقت نہیں ہے سر بکف ہو کر میدان میں آ جانا چاہیے۔ وہاں سے جواب آیا کہ جب تک کسی آزاد حکومت کی پشت پناہی اور امداد حاصل نہ ہو گی ہماری شجاعت اور جان بازی بیکار ہے۔ اس لیے آپ کسی حکومت کی امداد اور پشت پناہی حاصل کرنے کا انتظام کیجیے اور آپ خود یہاں تشریف لے آئیے۔ (۵۴)

ان آراء کی روشنی میں حکمت عملی طے کرنے اور اس پر عمل درآمد کی نوعیتوں کے جائزہ کے لیے غور و فکر شروع کر دیا گیا تاہم موجود حالات کے پیش نظر مناسب جانا گیا کہ یاغستان میں مرکز قائم کر دیا جائے اور سردست جس حد تک ممکن ہو جدوجہد کا آغاز کر دیا جائے چنانچہ ''یاغستان کے موضع زیگی ریاست باجوڑ میں تحریک کا مرکز قائم کیا گیا اور حاجی ترنگ زئیؒ اور مولانا سیف الرحمٰنؒ کابلی کی قیادت میں انگریزی استعمار کے خلاف عملی تحریک کا آغاز ہوا۔

حضرت مولانا کی اسکیم یہ معلوم ہوتی تھی کہ سرحد کے قبائلیوں میں جہاد کی روح پھونکی جائے اور اس طرح مجاہدین کی ایک زبردست فوج تیار کی جائے چنانچہ چند علماء وہاں بھیجے گئے جو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے اور قرآن پاک کی شرح میں جو جہاد کی تعلیم ہے اور جس سے ایک زمانہ سے علماء صرف گزر جاتے (صرف نظر کر جاتے) تھے اس پر سب سے زیادہ زور دینا طے تھا۔ انجام یہ ہوا کہ قبائلیوں میں زبردست جوشِ جہاد بھر گیا اور وہ انگریزوں کے سخت مخالف ہو گئے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک قبائلی اپنے پانچ سال کے بچے کو پستول کھیلنے کے

لیے دے دیتا تھا اور کام سے لوٹ کر آتا تو پوچھتا تھا کہ اے میرے بچے: آج تو نے کتنے انگریز مارے۔ وہاں اسلحہ خانہ بھی قائم ہو گیا تھا۔ رائفلیں اور پستول وہ لوگ خود بناتے تھے۔(۵۵)

حریت پسندوں میں جان بازی اور جگر کاری کا جذبہ بے انتہا تھا لیکن انہیں کسی حکومت کی امداد حاصل نہ تھی، کوئی ملک اس کی پشت پر نہ تھا، ہندوستان سے حضرت شیخ الہندؒ ان کی مالی امداد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے یا ملک کے دوسرے حصوں سے علماء اور اہل دل انفرادی اور خفیہ طور پر مدد پہنچاتے لیکن یہ تمام امداد اور چندے بھی ضرورت کو پورا نہ کر سکتے تھے، مجاہدین جی توڑ کر لڑتے تھے لیکن کھانے کا سامان ختم ہو جاتا تو انہیں مورچہ چھوڑ کر رسد کے لیے دور دراز گاؤں میں جانا پڑتا۔ کارتوس ختم ہو جاتے تو ان کے حصول کے لیے انہیں مورچہ چھوڑنا پڑتا۔ ان حالات میں برطانوی حکومت پر کوئی کاری ضرب نہ لگائی جا سکتی تھی۔(۵۶)

ان حقیقی مجاہدین کی اس حالت زار کا موجودہ دور کے ان آلہ کار مجاہدین سے موازنہ کیجئے جو باقاعدہ اور بھاری ماہانہ تنخواہ کے ساتھ بیش قیمت اسلحہ، ٹرنسپورٹ، لاسلکی (وائرلیس) نظام اور جدید سیٹلائیٹ سہولتوں سے آراستہ ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کا سفر حجاز اور مولانا سندھیؒ کا سفر کابل:

حضرت شیخ الہندؒ نے ان تمام باتوں کا اندازہ کر کے اس دور کی جائز بین الاقوامی حکومت خلافت عثمانیہ (جس سے ہندوستان کی وہ مسلم حکومت سرپرستی کے رشتہ میں منسلک رہی تھی، جس کے خلاف انگریزوں نے بغاوت کر کے اسے ختم کر دیا تھا) سے امداد حاصل کرنے کی غرض سے اپنے سرگرم شاگرد حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ حکومت افغانستان کو انگریز کے خلاف نبرد آزما ہونے پر آمادہ کریں اور خود حجاز مقدس جا کر ترکی زعماء سے ملاقات کے ذریعہ حریت پسندوں کی امداد کا کوئی مستقل بندوبست کرنے اور حریت پسندوں کے مرکز یاغستان پہنچ جانے کا منصوبہ تیار کیا، آپ نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو دہلی سے طلب فرمایا اور حد درجہ رازداری برتتے ہوئے بنا کوئی مفصل پروگرام بتائے کابل جانے کا حکم دیا۔ حضرت سندھیؒ خود فرماتے ہیں:

۱۹۱۵ء میں شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گیا، مجھے کوئی مفصّل پروگرام نہیں بتایا گیا تھا، اس لیے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہ کرتی تھی لیکن تعمیل حکم کے لیے جانا ضروری تھا۔ خدا نے اپنے فضل وکرم سے نکلنے کا راستہ صاف کر دیا اور میں افغانستان پہنچ گیا۔ کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ جس جماعت کے نمائندہ تھے، اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل کے لیے تیار ہے۔ ان کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہندؒ کی اشد ضرورت تھی، اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہندؒ کے اس انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔ (۵۷)

الغرض حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کئی مہینے مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے خفیہ طریقہ سے ۱۵ اگست ۱۹۱۵ء (۵۸) یعنی آزادیٔ ہند سے ٹھیک ۳۲ سال پہلے افغانستان کی سرحد میں داخل ہو کر قندھار سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے، جہاں تحریک کے خفیہ ممبران آپ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے، وہاں پہنچ کر آپ سیاسی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔ اسی زمانہ میں برطانوی حکومت نے ایسے تمام افراد کو گرفتار کر لینے کا فیصلہ کیا جن سے انہیں غیر مشروط تعاون وامداد اور ان کی پالیسی کی مکمل حمایت کی بجائے مخالفت اور برٹش حکومت کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے، کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے اور ملک میں انتشار پھیلانے کا خطرہ تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے مذکورہ منصوبے کے لیے یہ صورتحال تشویشناک تھی، اگر وہ گرفتار ہو جاتے تو سارے منصوبے پر پانی پھر جاتا، برٹش حکومت اپنے اس ارادے کی تکمیل میں یکسو تھی، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کی سیاسی سرگرمیوں کی بناء پر حکومت ہند آپ کو گرفتار کرانے کا مکمل ارادہ کر چکی تھی، جس کی اطلاع ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کو دے دی تھی، اس لیے حضرت شیخ الہندؒ پہلی فرصت میں برطانوی قلمرو سے نکل جانا چاہتے تھے۔ اتفاق سے حج کا زمانہ قریب تھا موقعہ کو مناسب سمجھ کر حضرت شیخ الہندؒ نے حج کے عنوان سے سفر حجاز کا قصد فرمالیا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ نے خود ہی مصارف ادا کر دیئے اور حضرت شیخ الہندؒ اپنے جانثار خادموں مولانا عزیر گلؒ، مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ وغیرہ کے ساتھ حجاز مقدس کے لیے روانہ ہو گئے، ادھر ان کی گرفتاری کا وارنٹ نکلا اور بمبئی پولیس کو تار کے ذریعے گرفتاری کا حکم پہنچا مگر عقیدت مندوں کے ہجوم اور خلقت کے اژدہام کی وجہ سے پولیس انہیں گرفتار کرنے سے قاصر رہی کہ کہیں بلوہ نہ

ہو جائے، اسی طرح اگلے اسٹیشنوں پر تار بھیجا جاتا رہا مگر ہر جگہ عقید تمندوں کے جمع ہونے کی وجہ سے پولیس گرفتار نہ کر سکی۔ پھر جہاز کے کپتان کو تار دیا گیا مگر جہاز پر یہ تار اس وقت موصول ہوا جب حضرت شیخ الہندؒ جزیرہ سعد میں قرنطینہ کے لیے اتر چکے تھے اور اس طرح اس دفعہ بھی آپ گرفتاری سے بال بال بچ گئے، اور بخیر و عافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔(۵۹)

تحریک کے اہم مراکز:

قبل اس کے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی خدمات اور حجاز میں حضرت شیخ الہندؒ کی سرگرمیوں کو ذکر کیا جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تحریک شیخ الہندؒ کے چند اہم مراکز پر بھی مختصر روشنی ڈالی جائے تاکہ تحریک کی ہمہ گیری اور مستحکم بنیادوں پر تنظیم کے ڈھانچہ کا پتہ چل سکے۔ تحریک کے مندرجہ ذیل اہم ترین مراکز یہ تھے۔

ا۔دیوبند	٢۔دہلی	٣۔گوٹھ پیر جھنڈا	٤۔دین پور
۵۔امروٹ	٦۔کراچی	٧۔چکوال	٨۔ترنگ زئی
٩۔یاغستان	١٠۔کابل	١١۔رائے پور	١٢۔پانی پت
١٣۔راجستھان	١٤۔مدینہ منورہ		

دیوبند:

دیوبند کے مرکز کو حضرت شیخ الہندؒ کے حجاز مقدس روانہ ہونے سے قبل تک اس عظیم ترین انقلابی تحریک کے ہیڈ کوارٹر ہونے کا شرف حاصل رہا، یہاں حضرت شیخ الہندؒ نے ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا جو کوٹھی کے نام سے مشہور ہے، جس میں ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے انقلابی لیڈر اور تحریک کے خفیہ کارکن جن میں ہندو بھی ہوتے تھے اور مسلمان بھی آکر ٹھہرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ رات کی اندھیریوں میں ان لوگوں سے ملاقات کرتے اور ہدایات دیتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ اکثر بڑے بڑے لیڈروں کو تحریک میں شامل کرنے کے لیے ان کو دیوبند طلب فرماتے تھے۔(٦٠)

چنانچہ تحریک کے ایک رضا کار اور جانباز سپاہی خان عبد الغفار خانؒ عرف باچہ

خاں کے بارے میں مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں:

خان بادشاہ عبدالغفار خانؒ اتمان زئی ضلع پشاور کے مشہور ومعروف قومی خادم اورکارکن ہیں، ابتداء میں ان کا تعلق حضرت شیخ الہندؒ سے پیدا ہوا، خدمت میں حاضر ہوئے، کہا جاتا ہے کہ بیعت بھی ہوئے، انہوں نے اپنے سیاسی تعلقات کا بڑے مجمع میں دارالعلوم میں تقریر کرتے ہوئے ذکر فرمایا کہ میں بارہا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا ہوں، ملاقات کا وقت اور جگہ کی اطلاع کسی شخص کے ذریعہ کردیتا تھا اور دیوبند سے پہلے کے یا بعد کے اسٹیشن پر اتر لیتا تھا اور وہاں دونوں مجتمع ہوکر باتیں کرلیتے تھے، پھر اپنے اپنے مقصد کے لیے مناسب گاڑیوں پر روانہ ہوجاتے تھے۔سی۔آئی۔ڈی کو اطلاع نہ ہوتی تھی۔ٹکٹ آگے کے ہوتے تھے، اس طرح بارہا ہوا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خان صاحبؒ بہت بڑے بڑے کام انجام دیتے تھے جن کے انجام دینے کی کاروائیاں اس قدر اخفاء کی محتاج ہوتی تھیں۔(۶۱) مشہور ہے کہ دارالعلوم کے احاطہ میں شمالی جانب ایک تہہ خانہ ہے جو آج بھی موجود ہے یہ بھی شیخ الہندؒ کی خفیہ سرگرمیوں کا مرکز تھا اور یہاں ہتھیار بھی جمع کیے جاتے تھے۔(۶۲)

دہلی:

اس مرکز کے صدر ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ تھے جو حضرت شیخ الہندؒ سے بہت قریبی تعلق رکھتے تھے اور نہایت رازداری سے سرگرمی کے ساتھ کام کرتے تھے (۶۳) جب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر دہلی میں ''نظارۃ المعارف'' قائم کیا تو دلی کی مرکزیت میں اضافہ ہوگیا تھا، اس شہر کو جو سیاسیات ہند کا بھی مرکز عظمیٰ تھا، یہ سعادت برابر حاصل رہی تا آنکہ تحریک کے راز فاش ہونے کے بعد نظارۃ المعارف کے نائب ناظم حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ گرفتار کرلیے گئے۔

گوٹھ پیر جھنڈا:

یہ مرکز گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا قائم کردہ تھا۔ ۱۸۹۱ء کے اوائل میں حضرت امام سندھیؒ دیوبند سے واپسی پر سندھ کے اس علاقہ میں پہنچتے ہیں،

آپ نے پہلے ایک مطبع بنایا جو دو سال تک چلتا رہا اور بعض عربی اور سندھی کی نایاب کتابیں اس مطبع سے شائع ہوئیں۔ اس کے بعد ایک ماہوار رسالہ "ھدایۃ الاخوان" چھپتا رہا، بعدازاں حضرت مولانا راشد اللہ صاحب العلم الرابع کی معاونت سے ۱۹۰۱ء میں دارالرشاد کے نام سے مدرسہ کی صورت میں یہ مرکز قائم ہوا۔ سات سال تک علمی وانتظامی کامل اختیارات کے ساتھ حضرت امام سندھیؒ یہاں کام کرتے رہے، تا آنکہ ۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے دیوبند طلب فرمایا اور جمعیۃ الانصار قائم ہوئی۔ مگر دارالرشاد میں کام جاری رہا۔ دارالرشاد میں حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا شیخ حسینؒ بن محمد محسنؒ انصاری یمانی امتحان کی غرض سے تشریف لائے، یوں اس مرکز کی براہ راست نگرانی حضرت شیخ الہندؒ کی رہی۔ حضرت امام سندھیؒ کو اس مدرسہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ اور امام مالکؒ کی خواب میں زیارت بھی ہوئی تھی۔ (۶۴)

دین پور:

یہ مرکز شہر دین پور تحصیل خان پور ضلع رحیم یار خان میں واقع تھا۔ یہ شہر اصل میں قادری، راشدی بزرگان کی چلائی ہوئی خفیہ تحریک آزادی کا مرکز تھا، جس کی قیادت اپنے وقت کے مقبول ترین ولی کامل، حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈیؒ کے خلیفہ اول حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ فرما رہے تھے اور بعد میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی انتھک جدوجہد سے یہ مرکز تحریک شیخ الہندؒ کے ساتھ مربوط ہوگیا تھا، چنانچہ اس ربط کے قائم ہونے کے بعد دین پور سرحدی علاقوں میں تحریک شیخ الہندؒ کا مرکز قرار پایا (۶۵) اس مرکز کے ذریعے جہاں لوگوں کی ذہن سازی کا کام لیا جاتا تھا وہیں جہاد کے لیے اسلحہ بارود وغیرہ بھی جمع کیا جاتا تھا اس مرکز کے قائد حضرت دین پوریؒ کی خانقاہ کے صدر دروازے کے نیچے تہہ خانہ میں گولہ بارود بنانے کی فیکٹری تھی جس میں خانقاہ کے خدام تندھی کے ساتھ کام کرتے تھے۔

دین پور اور دیوبند میں قوی رابطہ تھا۔ جو فیصلے شیخ الہندؒ دیوبند میں بیٹھ کر فرماتے تھے ان پر یہاں عمل ہوتا تھا اور اس جگہ کی باتیں ان تک پہنچتی تھیں، آپس کے ربط اور تبادلہ اخبار کے حیرت انگیز نظام کا یہ عالم تھا کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جب دیوبند سے کابل روانہ ہونے

سے پہلے دین پور پہنچے تو فوراً حضرت دین پوریؒ نے دریافت کیا، ارے تم کابل نہیں گئے گویا ان کو مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی آمد سے پہلے ہی پورے پروگرام کا علم ہو چکا تھا۔(۶۶)

امروٹ:

حضرت دین پوریؒ کے پیر بھائی ،سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیقؒ بھرچونڈی ؒ کے دوسرے خلیفہ،اور تحریک شیخ الہندؒ کے جانباز خادم حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ نے یہ مرکز قائم کیا تھا یہ مرکز امروٹ ضلع شکار پور میں واقع تھا۔حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ کے لاکھوں مریدین تھے۔امروٹ اور آس پاس کے علاقوں میں آزادی کی روح پھونکنے کا کام انجام دیتے تھے جہاد آزادی کے لیے یہاں بھی زبردست تیاری تھی اس مرکز کا بھی دیوبند کے مرکز سے قریبی تعلق تھا،مولانا تاج محمود امروٹیؒ متعدد دفعہ دیوبند بھی آئے اور حضرت شیخ الہندؒ ان سے ملنے امروٹ بھی تشریف لے گئے۔(۶۷)

کراچی:

اس مرکز کے نگران حضرت مولانا محمد صادق کراچویؒ تھے جوانہوں نے کراچی کے ایک علاقہ کھڈہ میں قائم کیا تھا، جہاں آج مدرسہ مظہر العلوم موجود ہے۔یہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے۔مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے ان کے بہت گہرے تعلقات تھے اور مشن آزادی میں ہمیشہ سرگرمی سے شریک رہے۔نہایت جوشیلے،راز دار،مستقل مزاج شخص تھے تقسیم ہند تک دارالعلوم دیوبند کے ممبر شوریٰ اور جمعیت علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی رہے ۔اس مرکز کے اراکین نے ۱۹۱۴ء کی جنگ کے حوالہ سے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا، جب انگریزوں نے عراق پر حملہ کیا تو اس مرکز کی نگرانی میں بلوچ قبائل کے ذریعے لسبیلہ میں بغاوت کروائی گئی۔مسٹر ٹاؤنشنڈ جو عراق پر حملہ کا کمانڈر انچیف تھا،اس کو اس راستہ سے کمک اور فوجی مدد پہنچتی تھی اس مرکز نے اس کمک کو روک دیا۔بالآخر کوت العمارہ میں ٹاؤنشنڈ محصور ہو گیا اور انگریزی فوج کو پسپا ہونا پڑا۔اس بغاوت کی وجہ سے عراق میں جو انگریزی فوج محصور ہوئی تھی ابتداً اس کی تعداد ۳۰ ہزار تھی اور جب محاذ ٹوٹا تو کل ۱۳ ہزار افراد باقی بچے تھے۔(۶۸)

گویا یہ بغاوت ۱۷ ہزار انگریزوں کی ہلاکت کا ذریعہ بنی۔اس بغاوت کے جرم میں حکومت ہند نے حضرت مولانا محمد صادق ؒ کو گرفتار کرلیا تھا۔

چکوال:

اس مرکز کے منتظم حضرت مولانا ابو محمد احمد چکوالیؒ تھے جن کو جمعیۃ الانصار کے بانی ممبر ہونے کا بھی شرف حاصل تھا (۶۹) یاغستان کے آزاد علاقہ میں سرمایہ پہنچانے کا کام مولانا ابو محمد احمد چکوالیؒ اور مولانا حمد اللہ پانی پتیؒ سرانجام دیتے تھے۔(۷۰) اس مرکز اور مولانا احمد چکوالیؒ کے بارے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

''مولانا احمد صاحب مرحوم چکوال کے باشندہ تھے۔دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ صاحب کے مخلص دوست اور مشن کے سرگرم ممبر تھے۔مشن تحریک آزادی کی برانچ چکوال، جوکہ پنجاب میں تھی موصوف اس کے صدر تھے۔نہایت استقلال اور بے جگری کے ساتھ مشن کے کاروبار میں شریک رہے اور ہزاروں کو ممبر اور ہم خیال بنایا، دیوبند میں ان کی آمد و رفت بارہا ہوئی۔گرفتاریوں کے دور میں ان کو بھی گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا۔(۷۱)

ترنگ زئی:

یہ مرکز تحصیل چارسدہ (صوبہ سرحد) میں موضع اتمان زئی (خان عبدالغفار خان صاحبؒ جہاں کے رہنے والے ہیں) کے قریب ایک گاؤں میں واقع تھا۔اس مرکز کے سربراہ حضرت حاجی فضل واحد معروف حاجی ترنگ زئیؒ تھے، جن کا پہلے ذکر ہوا۔آزاد علاقہ یاغستان کا مرکز قائم ہونے سے پہلے حاجی ترنگ زئیؒ اپنے مریدین کے ساتھ اس جگہ تحریک آزادی کا علم بلند کئے ہوئے تھے۔اس علاقہ میں تحریک آزادی پہلے سے جاری تھی، جسے حاجی ترنگ زئی صاحبؒ نے قائم ودائم رکھا۔حاجی ترنگ زئیؒ، حضرت مولانا شاہ نجم الدین صاحبؒ مرحوم معروف ہڈے ملّاؒ کے خلیفہ اور جانشین تھے۔حضرت مولانا نجم الدین صاحبؒ ہڈے ملا، حضرت مولانا اخوند شاہ عبدالغفور سواتیؒ عرف سیدو بابا کے خلیفہ و جانشین تھے، آخرالذکر یہ دونوں بزرگ

صوبہ سرحد کے اطراف میں بہت زیادہ با اثر غیور مجاہد گزرے ہیں۔ان حضرات نے اپنے اپنے زمانہ میں انگریزی اقتدار کے خلاف سالہا سال علم حریت بلند کئے رکھا تھا اور انگریزی اقتدار کو حد سے زیادہ نقصان پہنچاتے رہے تھے۔حاجی ترنگ زئی صاحبؒ بھی اپنے پیران طریقت کے قدم بہ قدم تھے۔جذبات حریت و آزادی اور جدو جہد آزادی کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے۔انہی مبارک جذبات کے تحت اس مرکز میں آزادی کی شمع جلائے رہے۔(۷۲)

یاغستان:

یہ مرکز حریت ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم اول کے دوران قائم کیا گیا،اس کے سربراہ بھی حاجی ترنگ زئیؒ تھے۔مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں:

حضرت شیخ الہندؒ نے بار بار مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا عزیر گلؒ صاحب کو حاجی ترنگ زئیؒ کی خدمت میں بھیج کر اپنے مشن میں داخل کیا اور استدعا کی کہ وہ اپنے وطن سے آزاد علاقہ یاغستان میں ہجرت کر کے چلے جائیں اور وہاں مرکز کو سنبھالیں اور اپنے بے شمار شاگردوں جو اپنے اپنے علاقوں میں درس و تدریس میں مشغول تھے،کو لکھا کہ وہ حاجی ترنگ زئی صاحبؒ کی تابعداری کریں۔...... چنانچہ ۱۹۱۴ء میں اعلان جنگ عمومی کے بعد حاجی ترنگ زئی صاحبؒ وہاں پہنچے اور تحریک آزادی کے جھنڈے کو بلند کیا اور پلٹنیں کی پلٹنیں صاف کر دیں۔

اس میدان جنگ کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ انگریزی فوجوں کو بہت مشکلات کا سامنا تھا جب کہ آزادی پسندوں کو ایسی مشکلات درپیش نہ تھیں،وہ ان علاقوں سے آشنا اور علاقائی ضرورت کے مطابق اقدامی اور دفاعی اقدامات بسہولت کر لیتے تھے لیکن انہیں رسد کی کمی کا سامنا تھا،نیز انگریز نے اپنی کامیابی کے لیے مختلف سازشوں کا سہارا لیا جس کی بناء پر جب تحریک حریت کا سلسلہ بند ہوا تو حضرت حاجی صاحبؒ کو ریاست مہمند میں مقیم ہونا پڑا اور مولانا سیف الرحمٰن وغیرہ کابل روانہ ہو گئے۔(۷۳)

کابل:

کابل کو بھی حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے پہنچنے کے بعد تحریک کا ایک اہم مرکز

سمجھا جانے لگا تھا، اگر چہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے کابل پہنچنے سے پہلے ہی وہاں تحریک شیخ الہندؒ کے سرگرم کارکن موجود تھے، اس کی تائید مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے اس انکشاف سے ہوتی ہے جس کو فاضل مصنف قاضی عدیل عباسی نے اپنی کتاب تحریک خلافت میں ذکر کیا ہے کہ:

مولانا منظور نعمانیؒ سے مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے کہا کہ جب وہ کابل پہنچے تو جو کام انہیں کرنا تھا اس کے بارے میں ایک لفافہ خود امیر حبیب اللہ والی افغانستان نے ان کو دیا۔(۷۴) حضرت سندھیؒ جب قندھار پہنچے تو وہاں انہیں چند احباب ایسے ملے جن سے انکا تعارف حضرت شیخ الہندؒ کی موجودگی میں ہندوستان ہی میں ہو چکا تھا اور ان لوگوں کا افغان حکومت میں اچھا رسوخ تھا چنانچہ مولانا عبداللہ لغاری لکھتے ہیں:

ان میں سے ایک تو صوفی ملا محمد حسن درانیؒ تھے جو باکمال اولیاء میں سے تھے اور حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق صاحبؒ کے خاص مصاحب تھے۔وہ مولانا سندھیؒ کو خوب پہچانتے تھے۔دوسرے صوفی جان محمدؒ جو بہت بڑے عالم اور ولی اللہ تھے، مولانا کی ان سے بھی جان پہچان تھی۔ حضرت مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار صوفی جان محمد صاحبؒ دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کی ملاقات کے لیے آئے تھے اس وقت میں ''الانصار'' کا ناظم تھا اور اپنے دفتر میں بیٹھا تھا۔حضرت شیخ الہندؒ ان کو لے کر میرے دفتر میں آئے اور باتوں باتوں میں فرمایا کہ یہ مولوی عبید اللہ سندھیؒ ہیں۔یہ میرے سب کاموں اور ارادوں سے مکمل واقف ہیں اور میرے دست و بازو ہیں۔بس اتنی ملاقات کر کے چلے گئے۔(۷۵)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی ذمہ داریوں کی تفصیل اور ان کا تعارف حضرت شیخ الہندؒ نے ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی کروادیا تھا اور غالباً یہی وجہ ہوگی کہ دیوبند کی روانگی سے قبل حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو کوئی مفصّل پروگرام نہ بتلایا تھا، جس کا تذکرہ حضرت سندھیؒ خود بھی کرتے ہیں۔علاوہ ازیں اس بات کے علاوہ بھی کابل میں تحریک شیخ الہندؒ کے اثرات پائے جانے کو تقویت ملتی ہے چنانچہ حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں کہ:

"افغانستان کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) قاضی عبدالرزاق صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت گنگوہیؒ کے علم حدیث میں شاگرد تھے، وہ سردار نصر اللہ خاں "نائب امیر السلطنت" سے خاص طور پر وابستہ تھے۔ایک عجیب بات وہاں ہمیں یہ نظر آئی کہ ہمارے اس سفر کے متعلق، خاص طور پر ان کے پاس اطلاعات تھیں۔انہیں جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ میرا ہی نام عبید اللہ ہے تو بہت مسرور ہوئے (٧٦)

رائے پور:

تحریک شیخ الہندؒ کا ایک اہم ترین مرکز خانقاہ رائے پور ہے۔خانقاہ رائے پور گنگا جمنا کے درمیان واقع "دوآبہ" جو کہ یوپی کے سر سبز و شاداب ضلع سہارنپور کے شمالی حصہ "کوہ شوالک" کے دامن میں واقع ہے، دہلی کے اجڑنے کے بعد خانوادہ ولی اللہی کے جانشین علماء ربانیین اور مشائخ عظام نے اپنے فکر وعمل کا مرکز جن قصبات کو قرار دیا، ان میں تھانہ بھون ، دیوبند، گنگوہ، سہارنپور اور رائے پور کی امتیازی شان ہے اور یہ سب مراکز اسی مردم خیز خطہ "دوآبہ" میں واقع ہیں۔(٧٧)

اس خانقاہ کے بانی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری ہیں جو حضرت عالی جیؒ کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے والد راؤ اشرف علی خانؒ ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے جانثار خدام میں سے تھے۔

جنگ آزادی میں بظاہر ناکامی کے بعد ، نئی حکمت عملی کے تحت ، حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا مکہ معظمہ میں بیٹھ کر کام کرنا ، ضروری سمجھا گیا، اس سلسلہ میں انگریزوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنے کے لیے جو سفر ہجرت کیا گیا، اس میں جمنا پار کے قصبات متصلہ تگری ، لاڈوہ۔پنجلاسہ اور انبالہ میں خفیہ طور پر قیام کیا گیا، اسی سفر کے دوران تین حضرات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے یکے بعد دیگرے تگری میں جناب چوہدری راؤ اشرف علی خاںؒ کے گھر پر بھی قیام فرمایا۔

اس وقت قطب عالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی عمر مبارک تین

چار سال کے قریب تھی۔ سب سے پہلے سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ تشریف لائے، چند روز قیام رہا، گاؤں کے بچے جب حضرت قدس سرہ سے ملے، تو ان میں حضرت رائے پوریؒ آپ کو بڑے منفرد نظر آئے، آپ نے ان پر خصوصی شفقت کا اظہار فرمایا، اور گلے لگا کر خصوصی توجہ سے پیار دیا، ان کے والد صاحب کو ان کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں خصوصی ہدایات دیں۔

قرآن پاک کی تعلیم، آبائی وطن ''تگری'' میں ہی ہوئی۔ حفظ قرآن پاک کے بعد آپ کچھ عرصہ کے لیے لدھیانہ تشریف لے گئے، اس زمانہ میں وہاں جنگ آزادی کے عظیم رہنما حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب لدھیانویؒ کا خاندان علم و فضل میں بڑا مشہور تھا، ان کے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا مفتی محمد لدھیانوی (دادا مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ) سے آپ نے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔(۷۸)

شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے شیخ میاں عبدالرحیم سہارنپوریؒ، حضرت اخوند عبدالغفورؒ سواتی عرف سیدو بابا کے خلیفہ تھے جو موجودہ صوبہ سرحد کے اطراف میں تحریک آزادی کے حوالہ سے انگریز کے خلاف عملی جدوجہد میں مصروف تھے اور ان علاقوں میں حصول آزادی کی بابت متعدد کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔ آپ ہی کی کوششوں سے علاقہ ''سوات و بنیر'' میں قبائل کی ایک آزاد حکومت قائم ہوئی تھی۔ یوں شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو انگریز کے خلاف ان کی مجاہدانہ سوچ اپنے شیخ کے واسطہ سے ملی۔ حضرت سیدو بابا کے شیخ خواجہ محمد شعیب تورڈھیرویؒ تھے۔ وہ، ان کے والد، دادا، یہ سب حضرات انگریز کے خلاف تھے اور انگریز کے خلاف عملی جہاد میں مصروف رہے۔(۷۹)

اسی طرح آپ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے مجاز بیعت اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے جانشین ہیں۔ گویا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو جذبہ حریت اپنے دور کے چوٹی کے علماء ربانیین اور آئمہ انقلاب سے ملا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے وصال کے بعد مشاورت اور راہنمائی کا مرکز گنگوہ سے ''رائے پور'' منتقل ہو گیا اور میدان عمل کا مرکز دیوبند ہی رہا، یوں جنگ آزادی

۱۸۵۷ء کے بعد آزادی کے حصول کے لیے جو تحریک منظم کی گئی اس کا مرکز گنگوہ کے بعد رائے پور رہا اور حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کی سرپرستی میں اس تحریک کے لیے افرادی قوت کا مہیا کرنا اور مالی امداد کی سپلائی کو جاری رکھنے کا کام بڑی جرأت و ہمت سے ہوتا رہا۔

چونکہ تحریک ریشمی رومال انگریز کے انتہائی جبر و آمریت اور دہشت کے ماحول میں پروان چڑھی تھی۔ اس لیے خفیہ طور پر اسے چلانے کے لیے اس کے اراکین سے اس کے رازوں کی حفاظت کے لیے تاحیات حلف وفاداری لیا جاتا تھا۔ اس پس منظر میں اس تحریک کی بہت سی تفصیلات ابھی تک پردۂ خفاء میں ہیں۔

اس کے باوجود سرکاری ریکارڈ اور دیگر ذرائع سے جو کچھ ابھی تک سامنے آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کی منصوبہ بندی اور اس کی خفیہ حکمت عملی میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے بعد ان کے خلفاء حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا کردار بڑا نمایاں ہے اگرچہ میدان عمل میں سرگرمی کا مرکز حضرت شیخ الہندؒ کی ذات گرامی تھی لیکن ان تمام حضرات کی مشاورت اور رہنمائی کا مرکز ''رائے پور'' تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ تحریک ریشمی آزادی کے امور شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے مشورہ کے بعد طے کرتے تھے چنانچہ شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں:

تحریک ریشمی رومال میں حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ عام طور پر حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کے مشورے اور شرح صدر پر عمل فرمایا کرتے تھے۔ (۸۰)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں جن لوگوں پر اعتماد فرماتے تھے ان میں شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا نام نمایاں ہے چنانچہ تحریک ریشمی رومال کے اہم کردار امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

تحریک آزادی ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ ہی نہیں چلا رہے تھے بلکہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگردوں کی ایک جماعت اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے

شاگردوں اور مریدین کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی، جیسے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ ہیں۔(۸۱)

اس اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تحریک آزادی کے مختلف معاملات اور اہم کاموں میں شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ شریک رہے ہیں۔ چنانچہ تحریک آزادی کی ایک اہم کڑی جمعیۃ الانصار کے ایک انتہائی اعلیٰ سطحی اجلاس کے شرکاء میں ایک نام حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا بھی آتا ہے(۸۲)

ترکی سلطنت پر جب انگریزوں نے جبر وستم شروع کیا تو اس موقع پر ترکوں کی مدد کی خاطر ہندوستان بھر میں چندہ مہم چلی اس بابت ضلع سہارنپور کے علاقہ میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی خصوصی کاوشوں کو حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے نمایاں حیثیت سے ذکر کیا ہے۔(۸۳)

حضرت شیخ الہندؒ جب حجاز تشریف لے گئے تو تحریک ریشمی رومال کا کام حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے سپرد ہوگیا' چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنی آپ بیتی میں فرماتے ہیں:

شوال ۱۳۳۳ھ/ اگست ۱۹۱۵ء سے پہلے جب حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا حجاز کا سفر طے ہورہا تھا اس زمانہ میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے ایک ہفتہ مستقل مدرسہ مظاہر العلوم میں قیام فرمایا......اور اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور مولانا الحاج احمدؒ صاحب رامپوری کا قیام بھی اس زمانہ میں سہارنپور ہی رہا، یہ چاروں حضرات صبح کی چائے کے بعد مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف فرما ہوتے تھے۔

کتب خانہ کا دروازہ ان کی نشست گاہ سے دور تھا، اس کے اندر کی زنجیر لگ جاتی اور ان چاروں حضرات کے علاوہ کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا تھا.........

تین چار دن یہی سلسلہ رہا جو لوگ اجمالاً حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے واقف تھے وہ تو اجمالاً سمجھے ہوئے تھے کہ کس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے.........

ان ہی ایام میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کے ذمہ

حضرت شیخ الہندؒ کی غیبت (عدم موجودگی) میں ان کی تحریک کی سرپرستی تجویز ہوئی تھی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حجاز جانا تجویز ہوا تھا، مگر اس طرح کہ علیحدہ علیحدہ سفر ہو، اس لیے کہ حکومت کی نگاہ میں دونوں مخدوش تھے، خیال یہ ہوا کہ اگر ایک گرفتار ہو جائے تو دوسرا حجاز پہنچ جائے۔(۸۴)

ایک مرتبہ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی مجلس میں حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ اور رائے پور کا تذکرہ آیا۔اس مجلس میں مولانا عبدالمجید سندھیؒ تلمیذ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی موجود تھے۔ان کا بیان ہے کہ حضرت رائے پوریؒ کے ذکر خیر پر حضرت سندھیؒ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی، اور پھر بڑے جوش میں فرمایا:

عام طور پر لوگ تحریک آزادی میں رائے پور کی سیاسی اہمیت کو پوری طرح نہیں جانتے، میں اس سے بخوبی آگاہ ہوں۔میرا تو دل چاہتا ہے کہ تحریک آزادی میں رائے پور نے جو کردار ادا کیا ہے، اس پر مضامین اور کتابیں لکھوں، لیکن کیا کروں کہ حضرت اقدس رائے پوری اس کو پسند نہیں کرتے تھے، اور ہمیں اس کے بیان سے منع کیا ہوا تھا۔ایک وقت آئے گا کہ دنیا رائے پور کے سیاسی کردار سے اچھی طرح آگاہ ہوگی۔(۸۵)

شاہ عبدالرحیمؒ اور شیخ الہندؒ:

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ یک جان ودو قالب ہو کر مشترکہ جدوجہد میں مصروف رہے ہیں چنانچہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں:

دونوں حضرات (شیخ الہندؒ اور شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ) یکجان ودو قالب ہو گئے اور اخیر تک اسی پر قائم رہے، تحریک آزادی کی خاطر جب حضرت شیخ الہندؒ حجاز جانے لگے تو انہیں کو اپنا قائم مقام بنا گئے اور اپنے کارکنوں کو تاکید کر دی کہ مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو میرا قائم مقام سمجھنا اور اہم امور کو ان سے مشورہ لے کر اور پوچھ کر انجام دینا اور جزوی امور کو مولانا احمد اللہ صاحبؒ انجام دیتے رہیں گے، چنانچہ اسی طرح عمل درآمد رہا۔حضرت رائے پوریؒ نہایت دلسوزی اور استقلال اور عالی ہمتی سے انتہائی رازداری کے ساتھ امور مہمہ

کوانجام دیتے رہے اوران کے خاص خدام بھی دلچسپی لیتے رہے مگر افسوس کہ ہمارے مالٹامیں اسیر ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی مولانا رائے پوریؒ مریض ہوئے اور عرصہ تک بستر مرض پر ناچارگی اور ضعف میں مبتلا رہے۔(۸۶)

آپ کا بستر مرگ پر پڑنا دراصل حضرت شیخ الہندؒ کے قید ہونے کے غم کی وجہ سے تھا ،چنانچہ مولانا عاشق الٰہیؒ صاحب ایک واقعہ لکھتے ہیں:

ایک مخلص طبیب نے حضرت عالی رائے پوریؒ کے آخری مرض میں نبض دیکھی اورعرض کیا: ''حضرت! آپ کوتو بہت پرانی تپ دق معلوم ہوتی ہے اورایسی ہے جیسے کسی غلبہ حزن وغم میں پیدا ہوتی ہے اوراندر ہی اندر گھلاتی ہے۔ برس ہا برس گذر جانے پر اس وقت آپ کو جوش آیا اور فرمایا:

ہاں! حکیم صاحب! سچ فرمایا مجھے تپ اس دن شروع ہوئی جس دن حضرت گنگوہیؒ نے اس دنیا کو الوداع کہا اوراس کا بدن پر ظہور اس دن ہوا جس دن خبر سنی کہ مولانا محمود حسن صاحبؒ مالٹا میں قید ہوگئے آج مولانا رہا ہوکر تشریف لے آویں تو کچھ نہ سہی ایک دفعہ تو جھرجھری لے کر اٹھ ہی کھڑا ہوں گا۔(۸۷)

یہ تعلق یکطرفہ نہ تھا بلکہ دوطرفہ تھا اس لئے یہی حال حضرت شیخ الہندؒ کا تھا چنانچہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے وصال کے موقع پر حضرت شیخ الہندؒ آپ سے اپنے گہرے تعلق کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ھمدمو! رائے کس سے لوگے؟ کہو! مشورے کس سے اب کروگے، کہو!
رازدل، کس سے اب کہوگے؟ کہو! ''رائے پور'' بھی کبھی چلوگے؟ کہو!
زینت و زیب الف ثانی مرد شاہ عبدالرحیم ثانی مرد(۸۸)

پانی پت:

اس مرکز کے روح رواں مولانا احمد اللہؒ پانی پتی تھے یہ پانی پت ضلع کرنال کے باشندے تھے۔ شیخ الہندؒ کے ہم راز، مشن کے مخلص اور جانباز ممبر رہے، یہ شیخ الہندؒ کی ڈاک

کے جوابات دینے کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے ہیں۔جب شیخ الہندؒ حجاز جانے لگے تو تحریک شیخ الہندؒ کی نگرانی اور رہنمائی کا اہم کام شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے حوالے کر گئے اور کئی اہم انتظامی اور عملی امور کی بجا آوری کے لئے مولانا احمد اللہؒ کو مقرر کیا، چنانچہ ان کے پاس تحریک کے ممبران کا رجسٹر فنڈ دھندگان اور دیگر اہم تحریکی کاغذات ہوتے تھے، جن کو لے کر یہ پانی پت چلے گئے تھے اور وہاں ہی سے یہ تمام کاروائیاں عمل میں لاتے تھے۔انگریز کی خفیہ محکمہ کی رپورٹ میں ان کو تحریک شیخ الہندؒ کا سرگرم رکن قرار دیا گیا ہے۔مولانا احمد اللہؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن میں معین ومددگار رہے اور سالہا سال اس خدمت کو سرانجام دیتے رہے، ان کی ذہانت اور امانت پر شیخ الہندؒ کو بہت زیادہ اعتماد تھا۔(۸۹) یاغستان میں مالی امداد پہنچانے کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔

راجستھان:

تحریک شیخ الہندؒ کے انقلابی منصوبہ پر عمل کرنے کے لیے مختلف جگہوں پر اسلحہ خانے بھی قائم تھے۔اس سلسلہ میں دین پور کے مرکز کی سرگرمیوں کا اوپر تذکرہ ہوا، یہاں ایک اور واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔یہ واقعہ دلچسپ ہونے کے ساتھ تحریک شیخ الہندؒ میں اعلیٰ پائے کی راز داری اور حکمت عملی کو بھی اجاگر کرتا ہے، مولانا منظور نعمانیؒ راوی ہیں، ان سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے فرمایا کہ:

وہ کراچی میں تھے کہ شیخ الہندؒ کا ایک نامہ ملا، جس میں ان کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ ایک شخص فلاں دن فلاں وقت تمہارے پاس آئے گا وہ جو کچھ کہے اسے محفوظ کر لینا اور اس سے کوئی سوال نہ کرنا، چنانچہ کراچی کی ایک مسجد میں وہ شخص آیا اور اس نے میگزین، بندوق او رگولہ بارود وغیرہ کی تفصیلات بتائیں، مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس کو محفوظ کر لیا اور جب دیوبند گئے تو حضرت شیخ الہندؒ کو بتلا دیا، ان کو کچھ معلوم نہ تھا کہ معاملہ کیا ہے بعد میں لوگوں کے ذریعے پتہ چلا کہ شیخ الہندؒ نے میگزین کا کوئی کارخانہ جہاں اسلحہ وغیرہ رکھا جاتا تھا، قائم کیا ہوا تھا جس کا کوئی پتہ آج تک سی۔آئی۔ڈی کو نہ لگ سکا۔لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ

کارخانہ راجستھان میں تھا۔(۹۰)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کن گہری تدابیر اور رازداری سے یہ تحریک چل رہی تھی، دوردور تک جڑیں رکھنے والی اس تحریک کے چند ریشمی خطوط انگریز کو مل گئے تو وہ اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا اور تحریک شیخ الہندؒ کا نام تحریک ریشمی رومال رکھ دیا۔ ورنہ اس تحریک میں ریشمی خطوط درحقیقت بہت کم استعمال ہوئے ہیں۔

مدینہ منورہ:

پاک و ہند کے ان مراکز مشہورہ کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اس کو بھی مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ وہاں اگرچہ پہلے سے حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد شاگرد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اقامت گزین تھے، مگر اس وقت تک ان کو عصری سیاسیات سے براہ راست دلچسپی نہ تھی۔ حضرت مدنیؒ خود فرماتے ہیں:

''میں حضرت شیخ الہندؒ کی مکہ آمد سے پہلے تک نہ مشن آزادی ہند میں شریک ہوا تھا، نہ حضرت شیخ الہندؒ کی عملی سرگرمیوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے ایک خصوصی مجلس میں مجھ کو اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ کو طلب فرما کر اپنے خیالات اور عملی کاروائیوں سے مطلع فرمایا۔ میں اس وقت تک فقط علمی جدوجہد میں مشغول تھا.......... حضرت شیخ الہندؒ کے واقعات اور خیالات سن کر میں بھی متاثر ہوا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ بھی۔ گو کہ عملی حوالہ سے حضرت سہارنپوریؒ پہلے سے حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق سفر تھے۔ یہ وقت میری سیاسیات کی ابتدا اور بسم اللہ کا وقت ہے۔(۹۱)

مدینہ طیبہ کے مرکز تحریک ہونے کی تائید انڈیا آفس لندن میں انگریز کے پولیٹیکل اینڈ سیکرٹ ڈیپارٹمنٹ کے محفوظ ریکارڈ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے الجنود الربانیہ نامی عوامی فوج کا ہیڈکوارٹر مدینہ منورہ کو قرار دیا تھا۔ جنود ربانیہ کا مقصد کامل آزادی کے حصول کی خاطر فوجی اصول پر جماعت تیار کرنا تھا۔ اس جماعت کے عہدے فوج کے اصول پر تھے اس جماعت کا ہدف اسلامی ممالک کے سربراہان سے رابطہ اور ان کا اعتماد حاصل کرنا تھا۔(۹۲)

انگریز کے خفیہ محکموں کو اس تحریک کے تمام ارکان کے ناموں تک رسائی نہیں ہو سکی ، بلکہ اس کو اس تحریک کے بانی کا بھی علم نہ ہو سکا ، چنانچہ وہ حضرت شیخ الہندؒ کی بجائے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو اس کا محرک قرار دیتا رہا ، اس کی لاعلمی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس کو تحریک کے صرف تین میجر ، دو کیپٹن اور ایک لیفٹیننٹ کے نام کا پتہ چل سکا۔

تحریک کی وسعت اور قربانی کا جذبہ:

تحریک شیخ الہندؒ کی وسعت اور ہمہ گیری سے متعلق چند اور باتوں کا بھی پتہ چلتا ہے چنانچہ جناب عبد اللطیفؒ کرتپوری جو عرصہ دراز تک حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں رہے تھے ، کہتے ہیں کہ:

حضرت شیخ الہندؒ نے ایک جماعت "مخلصین" کے نام سے بنائی تھی جس کے بہت ہی چنے ہوئے ارکان تھے ، وہ کسی کو سفارشی خط لکھیں تو سب کچھ لکھ دیں گے مگر مخلصین کا لفظ نہیں لکھیں گے ، یہ لفظ صرف جماعت کے نہایت اہم ارکان کے لیے مخصوص تھا ، اگر وہ کسی کو لکھ دیں کہ یہ بہت مخلص ہیں ان کو دس ہزار روپیہ دے دو تو وہ اپنا مکان ، سارا اثاثہ وغیرہ غرض کہ ہر چیز بیچ کر دس ہزار روپیہ ادا کر دے گا۔(۹۳)

بیرون ہند تحریک کے اثرات:

جناب عبد اللطیفؒ کرتپوری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان کے شیخ الاسلام ، ترکی کے مفتی اعظم ، شیخ مصر الازہر اور علماء ومفتیان مصر حضرت شیخ الہندؒ کے ہمنوا تھے۔(۹۴)

حضرت شیخ الہندؒ کی قائم کردہ جماعت "مخلصین" کے افراد ہندوستان کے علاوہ بیرون ہند میں بھی اپنی سرگرمیوں میں مشغول تھے ، جہاں اور جتنا ممکن ہوتا انگریزوں کو نقصان پہنچاتے تھے اس سلسلے میں یہ واقعہ لائق مطالعہ ہے:

جس زمانہ میں شاہِ ایران نے اپنے ملک میں تمباکو ، کی واحد ٹھیکیداری انگریز کو دے دی تو وہاں کے مجتہد العصر قابو میں نہ آتے تھے ، چنانچہ جماعت مخلصین نے مزدور بن کر جہاز

سے سامان اتارنے کا کام شروع کیا اور انگریز نگران جب شراب پی کر بدمست ہو گئے تو ایک صندوق لے جا کر مجتہد العصر کو دکھلایا، اس میں تمباکو، کی بجائے آلات حرب بند تھے، تب مجتہد العصر نے فتویٰ دیا کہ "تمباکو نوشیدن دریں زمانہ حرام است" کہ اس زمانہ میں تمباکو استعمال کرنا حرام ہے۔ رات کو جب بادشاہ حرم سرا میں گیا تو خلاف معمول اسے حقہ تیار نہیں ملا، آواز دی تو کوئی نہ بولا، بادشاہ کو غصہ آیا اور وہ زور سے چلائے "من آواز می دھم وکس نمی شنید ایں چہ ماجرا است" کہ میں نے آواز دی اور کسی نے نہ سنی یہ کیا ماجرا ہے تو بیگم صاحبہ تشریف لائیں اور کہا آج آپ کو حقہ نہیں ملے گا اور مجتہد العصر کا فتویٰ دکھلایا تو بادشاہ نے فوراً دربار کیا اور مجتہد العصر کو بلا کر کہا کہ حضرت یہ فتویٰ کیسا ہے؟ اسلام تو ایک عالمگیر مذہب ہے اور قیامت تک کے لیے ہے، یہ کیا کہ تمباکو پینا اس زمانہ میں حرام اور دوسرے میں حلال، ایران میں حرام اور ترکستان میں حلال، تو مجتہد العصر نے بادشاہ سے تنہائی کی درخواست کی اور پورا واقعہ بتلایا اس طرح سے ایران میں انگریزوں کی تمباکو پر اجارہ داری ختم ہو گئی۔ (۹۵)

مولانا سلمان منصور پوری ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تحریک کے متعلق مذکورہ بالا انکشافات اگرچہ عام مورخین ذکر نہیں کرتے لیکن تحریک شیخ الہندؒ جیسی عظیم انقلابی تحریک کو دیکھتے ہوئے یہ باتیں صحیح معلوم ہوتی ہیں اور اس طرح کے نہ جانے کتنے مراکز اور نامعلوم کتنے واقعات ہوں گے جو انہی متعلقہ افراد کے ساتھ اس دنیا سے پردہ کر چکے ہیں۔ بہر حال تاریخ کے ان دھندلے نقشوں سے تحریک کے بارے میں جو عظیم تصور قائم ہوتا ہے اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحریک کے مراکز میں رابطہ کا ایک خفیہ اور زبردست نظام تھا جو ہمیشہ متحرک رہتا تھا۔ (۹۶)

علماء حق کی اس جدوجہد کی اہمیت اور اثرات اتنے ہیں کہ بیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں ایران کے اندر سامراج دشمن شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والی انقلابی جماعت بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے چنانچہ امریکہ دشمن ایران کے موجودہ مذہبی پیشوا علی خامنہ ای نے بحیثیت صدر ایران "اسلامی حکومت" کے عنوان سے ہونے والی تیسری کانفرنس منعقدہ جمادی الاول ۱۴۰۵ھ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: انیسویں صدی کے آغاز میں اکابر علماء ہند جیسے

شاہ عبدالعزیزؒ اور سید احمد شہیدؒ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس خطہ میں سب سے پہلے آزادی کی شمع جلائی، مگر انگریز کے ایجنٹ ہندی عوام کے سامنے ان کی کردار کشی کرتے ہیں، علی خامنائی مزید کہتے ہیں: انگریز نے ہندوستان میں اسلام کے حقیقی مبلغ دارالعلوم دیوبند کے مقابلے پر مغربی رجحانات والا اسلامی مدرسہ (علی گڑھ) قائم کیا۔(۹۷)

اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کا ایک وفد دسمبر ۲۰۰۵ء میں ایران کے دورہ پر گیا۔ جس میں پاکستان کے وہ معروف علماء بھی شامل تھے جو ماضی میں شیعہ سنی مسئلہ میں پیش پیش رہے، وفد میں شامل ایک صاحب نے دورۂ ایران کی رپورٹ میں لکھا: جناب خامنہ ای صاحب سے کسی نے پوچھا کہ:

آپ حضرات نے اتنا بڑا انقلاب کیسے برپا کیا ہے؟ اس پر ان کا جواب تھا: علماء ہند کی برطانوی استعمار کے خلاف جدوجہد سے ہم نے بہت کچھ سیکھا ہے، بالخصوص حضرت شیخ الہندؒ کے کارناموں سے۔(۹۸)

مراکز کے باہمی رابطوں کی خفیہ صورتیں:

تحریک کے مراکز کے مابین رابطوں کے لئے کیا کیا صورتیں اختیار کی گئیں، ان میں کچھ کا تذکرہ محفوظ رہ گیا مثلاً

ایک شخص پشاور سے حضرت شیخ الہندؒ کے پاس حاضر ہوا وہ کاغذ کا پھول اور گلدان بنانا جانتا تھا، حضرت اسے کابل کے لیے خط دیتے وہ اسے پھول کی شکل میں بدلتا اور دیگر پھولوں کے ہمراہ گلدان کی صورت میں پشاور لے جاتا کسی کو گمان تک بھی نہ ہوتا کہ کسی پھول میں خط بھی ہوسکتا ہے، اس طرح وہ شخص باقی پھول تو مقامی طور پر فروخت کردیتا لیکن اصل پھول کسی کابل والے کے ہاتھ تھما دیتا جو اس غرض سے پشاور میں موجود ہوتا تھا۔(۹۹)

اس واقعہ کے ضمن میں سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

مذکورہ واقعہ کی تائید حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے بھی اپنا ایک مقالہ پڑھنے کے دوران فرمائی اور بتایا کہ انہوں نے بذات خود گلدان بنانے والے معمر شخص سے ملاقات کی

ہے۔اس طرح کے واقعہ کا ثبوت اگرچہ تاریخ جنگ آزادی کی عام کتابوں میں نہیں ملتا لیکن تحریک شیخ الہندؒ جیسی تحریکات کے لیے بعید از قیاس بھی نہیں ہے(۱۰۰)

تحریک کے مراکز میں تعلق کے سلسلے میں ایک اور واقعہ حضرت مولانا عبدالہادی ” دین پوری بیان کرتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے پاس سرخ وسفید رنگ کا ایک نوجوان مسجد میں آیا۔اس کے چہرے پر ہلکی بھوری لکڑی داڑھی تھی اور سر پر کلاہ مشہدی باندھے ہوئے تھا، بظاہر افغان معلوم ہوتا تھا اور باادب ہو کر حضرت دین پوریؒ سے مصافحہ کیا، حضرت دین پوریؒ فوراً کھڑے ہو گئے(۱۰۱) اور اس شخص کو اپنے ساتھ لے گئے، جماعت کے دیگر احباب چونکہ حضرت کے مزاج شناس تھے اس لیے کوئی دوست اس طرف نہیں گیا لیکن چونکہ میں (راوی) بچہ تھا اس لیے قریب جا کر دلچسپی سے یہ کارروائی دیکھتا رہا، اس نووارد نے اپنی مشہدی اتار دی اور زریں کلاہ کو ادھیڑ ڈالا اس میں سے زرد رنگ کا ایک ریشمی رومال برآمد ہوا جسے اس نے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔(۱۰۲)

حضرت شیخ الہندؒ کے پیغامات کو تحریک کے دوسرے مراکز تک پہنچانے میں حضرت مولانا عزیر گلؒ کا نام خاص طور سے لیا جاتا ہے حضرت شیخ الہندؒ نے حجاز سے روانہ ہونے سے قبل آپ کو حاجی ترنگ زئیؒ کے پاس بھیجا تھا اور ان کی واپسی تک سفر کو موقوف رکھا تھا۔اس کے علاوہ خان عبدالغفار خانؒ کا بھی بیان ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ حاجی ترنگ زئیؒ سے خط و کتابت کا کام خان عبدالغفار خانؒ کی وساطت سے انجام دیتے تھے۔(۱۰۳)

مولانا عزیر گلؒ راز داری قائم رکھنے میں بہت پختہ کار تھے حتیٰ کہ وفات سے کچھ عرصہ قبل حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ کے رفقاء نے مولانا عزیر گلؒ سے ملاقات کے دوران تحریک کے بعض رازوں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کوئی راز بیان نہ کیا بلکہ ایسا تاثر دیا جیسے وہ ایسی کسی تحریک سے آشنا ہی نہیں ہیں۔

یہ تھی تحریک کے مراکز اور اس کے درمیان رابطہ اور راز داری کی ہلکی سی جھلک۔اب تحریک شیخ الہندؒ کی دیگر تفصیلات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کابل میں:

پہلے ذکر آچکا ہے کہ پہلی جنگ عظیم چھڑ جانے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل روانہ ہونے کا حکم دیا تھا، چنانچہ آپ نے وہاں پہنچ کر تحریک کے لیے انتھک جدوجہد شروع کردی، اگرچہ قدم قدم پر مصائب رکاوٹ بنتے تھے اپنوں اور غیروں نے دھوکا دیا لیکن آپ صبر کے پتلے بنے رہے اور کبھی بھی مایوسی کو پاس نہ آنے دیا۔ انہوں نے ہندوستان کی آزاد عارضی حکومت قائم کی جسے افغانستان کی حکومت نے تسلیم کرکے اس سے معاہدہ کرلیا۔ دوسرے ملکوں میں بھی اس کی سفارتیں بھیجنے کا انتظام کیا گیا تاکہ وہ بھی اسے تسلیم کرکے اس کی اخلاقی مدد کریں۔ کابل میں رہ کر مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے وطن کی آزادی کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں جس نے ہندوستان کی آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ افغانستان میں آپ کی اہم خدمات کو ''نقش حیات'' میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ یوں بیان کرتے ہیں:

ا۔ آپ نے ترک جرمن مشن کو ہندوستان کی آزادی اور مستقبل کی صحیح پوزیشن سمجھائی اور اپنی بات کو منوایا۔

ب۔ عارضی حکومت کے صدر راجہ مہندر پرتاپ سنگھ کو صحیح راستہ بتلایا ان کو متفق کیا اور غلط راہ سے ہٹنے پر مجبور کیا۔

ج۔ آپ نے اپنا قومی اثر اراکین دولت افغانیہ میں پیدا کیا اگرچہ امیر افغانستان سردار حبیب اللہ کو جنگ آزادی پر عملی طور پر آمادہ نہ کرسکے اور انگریز کی ڈپلومیسی سدِ راہ بنی تاہم امیر صاحب مرحوم نے آپ سے بہت تاثر حاصل کیا اور آپ کو مفید مشورے دیئے جن میں ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت بھی ہے۔

د۔ آپ نے عمومی طور پر اراکین دولت افغانیہ کو اپنا ہم خیال بنایا جس کا کھلا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوا کہ روسی مشن کی واپسی کے بعد جب امیر صاحب نے جرگہ بلا کر انگریزوں سے جنگ کی رائے لی تو تمام ممبران جرگہ ان کے ہم خیال وہم زبان تھے۔ انہوں نے آئندہ حکمران بننے والے امیر امان اللہ خان کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ اقتدار پا جانے کے بعد بالکل

آپ کا ہم خیال ہو گیا اور انہوں نے دولت افغانیہ کے استقلال کامل کا اعلان کر دیا اور جب افغان برطانیہ جنگ مئی ۱۹۱۹ء ہوئی تو آپ نے تدابیر جنگ میں پورا حصہ لیا اور اپنی جماعت کے تربیت یافتہ افراد کو بھی جنگ کا حکم دیا تا آنکہ برطانیہ کو شکست ہوئی اور اس پر کابل میں برطانیہ کے متعین سفیر ہمیفرے نے کہا تھا کہ: ''یہ فتح دولت افغانیہ کی نہیں بلکہ عبید اللہ سندھی کی فتح ہے۔'' (۱۰۴) کابل میں رہ کر آپ کا ایک انتہائی اہم کارنامہ الجنود الربانیہ نامی عوامی فوج کی تشکیل تھا جس کے سپہ سالار حضرت شیخ الہندؒ متعین کیے گئے تھے اور بہت سے تحریک کے ممبروں کو ان کی سرگرمیوں کے مطابق جنرل، میجر، لیفٹیننٹ کرنل وغیرہ کے عہدے دیئے گئے تھے۔ اس جماعت کا ہیڈ کوارٹر مدینہ منورہ کو قرار دیا گیا تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی حجاز میں سرگرمیاں:

پہلے گذر چکا کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو حضرت شیخ الہند کابل بھیج کر خود حجاز تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے حجاز پہنچتے ہی مکہ معظمہ کے گورنر غالب پاشاؒ سے ملاقات کی جو پہلے ہی آپ سے شناسا تھے، آپ نے انہیں ہندوستان کی صحیح صورتحال اور اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ غالب پاشاؒ نے ہر طرح کی آپ کی امداد اور آپ سے تعاون کا یقین دلایا اور اس سلسلے میں آپ کو کئی تحریریں دیں۔ ایک تحریر مسلمانان ہند کے نام تھی جس میں انہیں ظالم انگریز کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی تلقین کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ اہل ہند کو آزادی کامل پر آمادہ ہو جانا چاہیے اور اپنی جدوجہد کو تیز کر دینا چاہیے۔ یہی وہ مشہور تحریر ہے جو تاریخ میں غالب نامہ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دوسری تحریر گورنر مدینہ بصری پاشاؒ کے نام تھی، اس میں کہا گیا تھا کہ مولانا محمود حسنؒ کو استنبول تک بحفاظت پہنچانے اور انور پاشاؒ اور جمال پاشاؒ سے ان کی ملاقات کا بندوبست کرا دیا جائے۔ تیسری تحریر غازی انور پاشاؒ وزیر جنگ ترکیہ کے نام تھی اس میں حضرت شیخ الہندؒ کے نام کے بعد ان کے منصوبہ میں امداد دینے کی سفارش کی گئی تھی۔

حضرت شیخ الہندؒ یہ تحریریں لے کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ حسن اتفاق سے غازی انور پاشاؒ اور جمال پاشاؒ بھی وہاں پہنچ گئے، اس طرح ان دونوں ترکی زعماء سے آپ کی

ملاقات مدینہ منورہ ہی میں ہوگئی ۔جمال پاشاؒ آپ کے خیالات سے بہت متاثر ہوئے اور ملاقات کے بعد آپ کی استعمار دشمنی کو یوں خراج تحسین پیش کیا: اگر محمود حسن کو جلا کر راکھ بھی کردیا جائے تو اس کی راکھ بھی انگریز سے کترا کر گزرے گی (۱۲۰) انور پاشاؒ بھی آپ کی شہرت سن چکے تھے۔جب آپ نے انہیں اپنا منصوبہ بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے، امداد کا وعدہ فرمایا اور چند تحریریں لکھ کردیں، جن میں آزاد قبائل کو مجاہدین کا ساتھ دینے اور انگریزوں کے خلاف اپنی کاروائیوں کو تیز تر کرنے کی ہدایت کی تھی اور آزاد قبائل کو امداد کا اطمینان دلایا گیا تھا۔

اس کے بعد اہم مسئلہ یہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ یاغستان کس طرح پہنچیں۔ایران کا راستہ، وہاں انگریز فوجوں کے پہنچ جانے کی وجہ سے بالکل بند ہو گیا تھا۔بحری راستہ سے بلوچستان پہنچ کر آزاد قبائل تک پہنچا جائے لیکن ترک زعماء اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد کرنے سے معذور تھے۔ان حالات کے پیش نظر آپ نے غالب نامہ کو ہندوستان پہنچانے کا ایک محتاط طریقہ سوچا، اس کے لیے مولانا ھادی حسنؒ اور مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کو یہ خدمت سپرد کی کہ مولانا ھادی حسنؒ ان تحریرات کو ہندوستان تک اور مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ سرحد اور آزاد قبائل میں یہ تحریریں مکمل احتیاط کے ساتھ پہنچادیں۔

غالب نامہ آزاد قبائل میں:

ہندوستان کے راستہ سے مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کے ذریعہ سرحد اور آزاد قبائل میں غالب پاشاؒ کا پیغام پہنچا، جس سے مجاہدین کے جوش میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور انہوں نے انگریزی غلامی کے طوق کو اتار پھینکنے کا قصد کرلیا۔جناب خان غازی کابلیؒ کی تحقیق کے مطابق مولانا منصور انصاریؒ جن تحریروں کو لے کر کابل پہنچے تھے، ان میں ایک تحریر حکومت موقتہ اور جنود ربانیہ کے نام حضرت شیخ الہندؒ کی تھی جس میں انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کی تاریخ میں مندرجہ ذیل پروگرام پر عمل کریں یہ حکم ایک زعفرانی رنگ کے ریشمی رومال میں تھا۔

۱۔قلات اور مکران کے قبائل ترکی فوجوں کی قیادت میں کراچی پر حملہ آور ہوں۔

۲۔غزنی اور قندھار کے قبائل ترک فوج کی مدد سے کوئٹہ پر یلغار کردیں۔

۳۔ پشاور کے محاذ پر درہ خیبر کے مہمند اور آفریدی، شینواری قبائل حملہ آور ہوں۔

۴۔ اُوگی کے محاذ پر کوہستانی قبائل کی امداد سے حملہ کیا جائے۔

۵۔ اس تاریخ کو ہندوستان میں آزادی کا پرچم لہرایا جائے۔ (۱۰۵)

اگر خان غازی کابلیؒ کی تحقیق کو صحیح مان لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ حضرت شیخ الہندؒ اپنی تحریک میں کہاں تک مراحل طے کر چکے تھے اور کامیابی کی منزل ان سے بہت کم فاصلہ پر رہ چکی تھی، جب ہی تو مولانا محمد علی جوہرؒ اپنی مجلسوں میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: حضرت شیخ الہندؒ تو اس تحریک میں ایسے بلند مقام پر پہنچ گئے کہ ہمارے اذہان وخیالات بھی وہاں تک نہیں پہنچے تھے اور جب حضرتؒ کا انتقال ہوا تو تعزیت کے لیے دیوبند تشریف لائے اور رو رو کر کہنے لگے کہ ''حضرت شیخ الہندؒ کے انتقال نے ہماری کمر توڑ دی۔'' (۱۰۶)

امریکہ کا آزادی کش کردار اور شریف مکہ کی غداری:

حضرت شیخ الہندؒ غالب نامہ اور دیگر خطوط مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کے حوالے کر کے مدینہ منورہ سے دوبارہ مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ خیال تھا کہ غالب پاشاؒ سے ملاقات کے بعد منزل مقصود کی طرف روانہ ہوں گے۔ غالب پاشاؒ اس وقت طائف میں تھے ۔آپ طائف تشریف لے گئے، اسی دوران ایک بہت بڑی تبدیلی رونما ہوگئی ورنہ یہ تحریرات بہت زیادہ کارآمد ہوتیں اور حکومت ترکیہ اور اس کے حلیف امداد کرتے ۔ ہوا یوں کہ جرمنی اور ترکی کی فتح مندی اور کامیابی کے بعد جب امریکہ انگریزوں کا حلیف ہوگیا اور مسٹر ولسن کے پُرفریب نکات سامنے آئے تو یکا یک حالت بدل گئی اور کل کی فتح آج کی شکست بن گئی۔ امریکہ کی بے شمار فوجیں اور لاتعداد ہتھیار جب انگریزوں اور فرانس وغیرہ کی مدد پر آگئے اور اسی کے ساتھ جون ۱۹۱۶ء میں شریف حسین نے غداری اور خیانت کر کے انگریز کی حمایت میں ترکوں اور ان کی قوت کو ہر قسم کا نقصان پہنچانا شروع کر دیا، عربوں اور ترکوں میں انتہائی نفرت پھیلا دی تا آنکہ شام، فلسطین، عراق وغیرہ میں عرب کے عوام ترکوں کو قتل وغارت کرتے تھے اور عرب سپاہی ترکی فوج میں سے بھاگنے لگے اور جدوجہد سے جان چرانے لگے (۱۰۷)

تحریک کے راز کا افشاء:

ان عوامل کے ساتھ ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ اس عظیم تحریک کا راز افشاء ہوگیا، جو دارالعلوم کی سرزمین سے انجمن ثمرۃ التربیت کی شکل میں اٹھ کر پورے نصف عالم کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی جس کے قدم کامرانی کی منزل کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ضروری خیال کیا کہ تحریک کے سلسلہ میں کابل میں ہونے والے کام کی تفصیل امیر تحریک حضرت شیخ الہندؒ تک پہنچنی چاہیے تا کہ مفید مشورے لیے جاسکیں اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کریں، چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ایک خط حضرت شیخ الہندؒ کے نام ایک ریشمی رومال پر تحریر کیا، جس میں جنود ربانیہ اور حکومت موقتہ کے احوال اور ''غالب نامہ'' کی فوٹو کاپیوں کی آزاد قبائل میں تقسیم کرنے کی اطلاع تفصیل کے ساتھ مذکور تھی یہ خط ۹ رمضان ۱۳۳۴ھ یوم بمطابق ۱۰ جولائی بروز سوموار ۱۹۱۶ء کا ہے۔ ساتھ ہی ایک خط، سندھ کے شیخ عبدالرحیمؒ سندھی کو لکھا جس میں، مذکورہ خط کو مدینہ منورہ پہنچانے کی ہدایت درج تھی۔ ایک تیسرا خط مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کا لکھا ہوا ہے جو ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ کا ہے۔ یہ تینوں خطوط جو ریشمی رومال پر لکھے گئے تھے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء (۱۰۸) میں عبدالحق کے حوالے کیے کہ وہ ان خطوط کو مولانا عبدالرحیم سندھیؒ کے پاس پہنچادیں، تا کہ وہ اسے خود یا کسی قابل اعتماد شخص کے ذریعے آپ کو حجاز میں پہنچادیں، لیکن وہ خطوط شیخ عبدالرحیمؒ تک پہنچنے کی بجائے ایک ایسے شخص کے ہاتھ لگ گئے جس نے وہ خطوط انگریز گورنر کی خدمت میں پیش کردیئے اور ملک کی آزادی پر انگریز کی خوشنودی کو ترجیح دی۔ بعدازاں ان خطوط پر سی۔ آئی۔ ڈی مطلع ہوئی تو اس عجیب وغریب انکشاف سے قصر بکھنگم تک ہل گیا، پوری حکومت برطانیہ کے قلمرو میں زلزلہ آگیا، حکام ششدر رہ گئے اور برٹش انٹیلی جینس کے کارندے اپنی ناکامی پر حیران رہ گئے۔

ایک غلط تأثراور حقیقت حال:

اس واقعہ سے یہ تأثر لینادرست نہیں کہ تحریک شیخ الہند کے اندراہم امور میں راز داری کا خیال نہ رکھا جاتا تھااور ذمہ دار مخلص لوگوں پر بھروسہ کرنے کی بجائے عامی لوگوں کواہم ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں، یہاںتک کہ محض ذاتی مفاد کی خاطر عبدالحق (قاصد) نے حضرت سندھیؒ کے یہ اہم خطوط ملتان کے آنریری مجسٹریٹ خان بہادر رب نواز خان کے حوالے کردیئے، جس سے راز فاش ہوگیا۔حقیقت یہ ہے کہ یہ تأثر غلط اور بے بنیاد ہے جس طرح چندریشمی خطوط کے پکڑے جانے پر ''تحریک شیخ الہندؒ ''کو''ریشمی خطوط تحریک'' کانام دے دیا گیااوراس کابانی حضرت سندھیؒ کوقرار دیدیا گیا کہ یہ محض ایک شخص کی کوشش کانتیجہ ہے ،حالانکہ اصل صورتحال ایسی نہیں ۔بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت سندھیؒ جیسازیرک اورمحتاط انسان کسی خودغرض اور کمزور آدمی کواس طرح کی دستاویزات دے دیتا۔یہ بات کہ اس تحریک کا افشاءصرف انہی خطوط کے پکڑے جانے سے ہواہے محلِ نظر ہےاور تھوڑے سے غور سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔،وہ یوں کہ حضرت شیخ الہندؒ ۳۰ ستمبر ۱۹۱۵ء کومکہ معظمہ پہنچ گئے تھے،اور جاتے ہی غالب پاشاؒ سے ملاقات کے بعدخطوط حاصل کر کے مولانا ھادی حسنؒ کے ذریعہ ہندوستان اورمولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کے ذریعے آزادقبائل میں پہنچادیتے ہیں،اور یہ خطوط چھپ جاتے ہیں جس کا انگریز کوعلم ہوگیا جبکہ حضرت سندھیؒ ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو یہ خطوط عبدالحق کے حوالے کرتے ہیں جو خان بہادر کے ہاتھ ۱۵ اگست ۱۹۱۶ء کولگتے ہیں،اس سے پہلے ہندوستان میں غالب نامہ کے چھپ جانے کے بعدانگریز کوآپ کی سرگرمیوں کاعلم ہوگیا تھااور وہ اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے پہلے سے سرگرم ہوگئے تھے تا آنکہ یہ واقعہ بھی پیش آگیا۔گویاافشاءراز کایہ واقعہ بعدکا ہے۔(۱۰۹)

اس تاثر کے غلط ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ عبدالحق،خان بہادر کے دوبیٹوں اللہ نواز خان اورشاہ نواز خان کااتالیق (ٹیوٹر) رہاتھا،خان بہادر کے یہ دونوں بیٹےتحریک آزادی میں شامل ہوگئے تھےاور عبدالحق کے ساتھ کابل چلے گئے تھے۔خان بہادر کے بیٹوں نے ایک خط

اپنے والد کے نام لکھا اسے پہنچانے کے لیے عبدالحق ملتان گیا مگر خان بہادر کے ہتھے چڑھ گیا اوراس نے تشدد کر کے یہ خطوط ہتھیا لیے، کیونکہ ایک روایت یہ ہے کہ عبدالحق کو گرم سلاخوں سے داغا جاتا تھا اور کئی انسانیت سوز اذیتیں دی گئیں۔ آزادی پسندوں کے ساتھ انگریزوں کا یہ رویہ معمول تھا ورنہ یہ بات بعیداز قیاس ہے کہ محض خان بہادر کی ملاقات کے شوق میں عبدالحق ملتان گیا، جبکہ اسے معلوم تھا کہ بیٹوں کی وجہ سے خان بہادراس پر نالاں ہے، پھر یہ کہ اگر عبدالحق نے یہ خطوط غداری کرتے ہوئے انگریز کو پیش کرنے ہی تھے، تو وہ خان بہادر کو کیوں دیتا، سرحد میں داخل ہوتے ہی کسی بڑے انگریز افسر کو دے کر انعام اور تعریفی سند پاتا۔ اس بناء پر یہ کہنا غلط ہے کہ عبدالحق نے لالچ میں ایسا کیا بلکہ نا قابل برداشت جبر و تشدد کے ذریعے یا کسی دھوکہ سے یہ خطوط حاصل کیے گئے۔ آخر الذکر امکان کو سید محبوب رضویؒ نے بھی تاریخ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے۔(۱۱۰) اسی طرح انڈیا آفس لائبریری میں موجود خفیہ رپورٹ سے بھی اسی پہلو کو تقویت ملتی ہے۔(۱۱۱)

شیخ الہندؒ کی اپنے رفقاء سمیت گرفتاری:

غالب نامہ کی اشاعت اور خطوط کے پکڑے جانے کے بعد ہندوستان بھر میں گرفتاریوں، قید و بند اور تحقیق و تفتیش کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ جہاں جہاں تحریک کا اثر ہونے کا شبہ تھا، چھاپے مارے گئے اور بے شمار لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

غالب نامہ کی اشاعت سے برٹش حکومت بوکھلائی ہوئی تھی، اس کے بعد انور پاشاؒ کی تحریر برٹش حکومت کے علم میں آئی اور اسے پکڑ لینے کی انتہائی کوشش کے باوجود اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، تو حکومت حواس باختہ ہو گئی اور اس نے طے کر لیا کہ حضرت شیخ الہندؒ کو بہر صورت گرفتار کر لینا چاہیے۔ اس کے بغیر حالات پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ چنانچہ شریف حسین کو حکم بھیجا کہ وہ آپ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دے۔ ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ/۲۳ مئی ۱۹۱۶ء بروز منگل سے لے کر ۶ شوال ۱۳۳۴ھ/ ۰۶ اگست ۱۹۱۶ء بروز اتوار تک طائف سے نکلنا ناممکن ہو گیا کافی مشقتوں کے بعد ۱۰ شوال بروز جمعرات کو حضرت شیخ الہندؒ مکہ معظمہ تشریف لائے

۔ یہاں خان بہادر مبارک علی اورنگ آبادی نے انگریزوں کے ایماء پر ترکوں کی تکفیر اور شریف حسین کی بغاوت کے جواز میں ایک فتویٰ تیار کر رکھا تھا جس پر بہت سے علماء سوء نے دستخط بھی ثبت کر دیئے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے یہ فتویٰ پیش ہوا تو آپ نے اس کی تصدیق سے انکار کر دیا، اس بات نے شریف اور اس کے حمایتیوں کو سخت مشتعل کر دیا اور اسے آپ کے خلاف کاروائی کرنے کا بہانہ مل گیا۔ (۱۱۲)

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں حج سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ ایسی تدبیر کر رہے تھے کہ بلوچستان کی کسی بندرگاہ پر بادبانی جہاز سے پہنچیں اور وہاں سے یاغستان روانہ ہو جائیں مگر حالات ایسے بنے کہ آپ طائف سے بروقت نہ نکل سکے، شریف حسین نے اخروی فلاح پر بغاوت کو ترجیح دی اور انگریزوں سے ''نہایت وفاداری'' کا ثبوت دیتے ہوئے ترکوں کے خلاف فتویٰ کو بہانہ بنا کر حرم محترم بیت اللہ المعظم سے حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیر گلؒ، مولانا حکیم نصرت حسینؒ اور مولانا وحید احمدؒ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی اس گرفتاری کو کہا جاتا ہے کہ وہ ان رپورٹوں کا نتیجہ تھی جو خطوط حاصل ہونے کے بعد کی گئی تھیں، جبکہ تحریک بذات خود ماہ جون ۱۹۱۶ء (شعبان ۱۳۳۴ھ) میں اس وقت ختم ہو چکی تھی جب شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور برطانیہ کا دامن سنبھال لیا تھا (۱۱۳)

ادھر کابل کی حکومت سے، حکومت برطانیہ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور ان کے رفقاء کے بارے میں زبردست احتجاج کیا جس کے نتیجہ میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور ان کے رفقاء کو ایک تنگ مکان میں بند کر دیا گیا، مولانا محمد میاںؒ کو کابل سے یاغستان روانہ کر دیا گیا جہاں جا کر انہوں نے اپنا نام محمد منصور انصاری رکھ لیا، جس کی وجہ سے سی۔ آئی۔ ڈی کو انہیں گرفتار کرنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، اس کے بعد جب امیر امان اللہ خان کی حکومت آئی تو ان لوگوں کی رہائی اور واپسی ہوئی۔ (۱۱۴)

فروری ۱۹۱۷ء میں حضرت شیخ الہندؒ کو جزیرہ مالٹا پہنچا دیا گیا، اس زمانہ میں ان صبر کے پیکروں

نے قوم ووطن کے لیے بڑے مصائب برداشت کیے، تکلیفیں اٹھائیں، جو تاریخ ہند کا ایک زریں باب ہیں، انہی مشقتوں کے وجہ سے شیخ الہندؒ مستقل عوارض میں مبتلا ہو گئے، جو بالآخر مرض الموت کا سبب بنے لیکن آپ کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ ہوئی۔ مالٹا میں آپ تقریباً ساڑھے تین سال تک اسیر رہے۔ (۱۱۵) اور بالآخر ۱۵ مارچ بروز سوموار ۱۹۲۰ء کو مرض کی سنگینی کی بنا پر آپ کی رہائی کے احکامات جاری ہوئے تو آپ ۲۸ جون بروز سوموار ۱۹۲۰ء کو ہندوستان واپس تشریف لائے۔

خلاصہ کلام:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور ان کی جماعت کے منصوبہ آزادی کا جائزہ لینے سے درج ذیل امور نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ الہندؒ کا منصوبہ مکمل قومی آزادی کے لیے تھا اور اس میں کسی بیرونی قوت کی قطعاً اثر انگیزی یا سازش شامل نہ تھی۔ اس دور کے تناظر میں ترکی کی خلافت عثمانیہ، ہندوستان کی اس مسلم حکومت کی سرپرست تصور ہوتی تھی جس کو انگریز سامراج نے ختم کر دیا تھا، اس لیے ہندوستان کے مسلمان اپنی سرپرست طاقت سے امداد کا بین الاقوامی قانون کے تحت استحقاق رکھتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کا منصوبہ اسی تعاون کے ذریعہ ملک کی آزادی کا تھا۔

۲۔ تحریک شیخ الہندؒ کا مقصد انگریز سے چھٹکارا کے بعد دین کے مکمل عادلانہ نظام کا قیام تھا جس میں روح عصر کے تقاضوں کا شعور شامل ہو جو حضرت شیخ الہندؒ کے خطبات، تحریرات اور تربیت یافتہ شاگردوں کی تحریرات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اس دور میں مسلح جدوجہد کی حکمت عملی کا جو طریقہ کار آزادی پسند تحریکات میں موجود تھا اس میں صرف ظالم طاقت کو نشانہ بنایا جاتا تھا اور اس کی زد کسی طور عام آدمی پر نہیں پڑتی تھی، جنگ آزادی میں بیسیوں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ مجاہدین آزادی نے عام انگریز شہریوں کو تحفظ فراہم کیا اور حالت جنگ میں ہونے کے باوجود ان سے کوئی بدسلوکی نہیں کی، جبکہ اس کے برعکس تشدد پسند اور دہشت گرد تحریکات کی کاروائیوں کا سب سے بڑا ہدف عام شہری اور کمزور طبقہ بنتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

١۔دیکھئے۔نقش حیات،مولانا حسین احمد مدنیؒ۔مکتبہ رشیدیہ۔ساہیوال۔ص:٤٤٧،٤٤٨۔
٢۔دیکھئے۔نقش حیات،ص:٤٨٠
٣۔سفرنامہ اسیر مالٹا،مولانا حسین احمد مدنیؒ۔عبیداللہ اکادمی۔لاہور۔س ن۔ص:١٨
٤۔ایشیاء کا عظیم انقلابی لیڈر۔محمد سلمان منصور پوری۔شاہ ولی اللہ دارالمطالعہ،بشیر بلڈنگ ،لاہوری گیٹ گوجرانوالہ۔س ن۔ص:٣
٥۔دیکھئے،نقش حیات۔ص:٤٤٧
٦۔سوانح قاسمی،مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔مکتبہ رحمانیہ اردو بازار۔لاہور۔٢:٢٢٣
٧۔کہ حصول علم کا مقصد غیر اللہ کی غلامی سے نجات ہے۔
٨۔تذکرہ مشائخ دیوبند،مؤلفہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن۔مدنی دارالتالیف بجنور،یوپی۔انڈیا ۔١٩٦٧ء۔ص:١٧٢
٩۔ایضاً،دیکھیے،ص:١٦٧تا١٧٣
١٠۔نقش دوام،مولانا انظر شاہ مسعودیؒ۔المکتبۃ البنوریہ،علامہ بنوی ٹاؤن کراچی۔ص:٢٠٥
١١۔گنگوہ،سہارنپور اور رائے پور
١٢۔سونے کی لڑی
١٣۔نقش دوام،ص:٢٠٦
١٤۔روئیداد جشن دیوبند۔جانباز مرزا۔مکتبہ تبصرہ ٤/٧ گلشن کالونی،شاد باغ،لاہور۔١٩٨٠ء ۔ص:٣٤
١٥۔جدوجہد آزادی کا رہنما ادارہ،قاری محمد طیب۔شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن۔ملتان ۔ص:٢٩

۱۶۔تلوار و تیر ۱۷۔جد و جہد آزادی کا رہنما ادارہ، ص:۴

۱۸۔ایضاً ص:۲۴ ۱۹۔نوائے وقت لاہور ۔ 5 2 ستمبر وز
اتوار ۱۹۸۰ء

۲۰۔تذکرہ مشائخ دیو بند، ص:۱۷۵ ۲۱۔ایضاً ص:۲۱۴

۲۲۔ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ۳۰ ستمبر ۱۹۸۸ء، مضمون: شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔ص:۱۳

۲۳۔ایضاً

۲۴۔تذکرہ مشائخ دیو بند۔ص:۲۱۷

۲۵۔علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں۔تدوین جدید، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔جمعیۃ پبلیکیشنز۔وحدت روڈ لاہور ۲۰۰۵ء۔حاشیہ۔ص:۱۳۳

۲۶۔"الرشید" دارالعلوم و دیو بند نمبر۔جامعہ رشیدیہ ساہیوال، ۱۹۷۶ء ۔مضمون پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی۔ص:۳۸۳

۲۷۔ایضاً

۲۸۔قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی۔مکتبہ سید احمد شہید۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۰ء۔ص:۲۲۳

۲۹۔نقش دوام۔ص:۲۰۵

۳۰۔دیکھئے اسیران مالٹا۔ص:۴۰ تا ۴۲

۳۱۔ید بیضاء۔حامی عبیدی دینپوری۔خانقاہ دین پور ضلع خانپور۔ص: ۹۲،۹

۳۲۔ہفت روزہ خد ام الدین شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ص:۱۵، مز ید دیکھئے علماء حق، ص:۱۲۷، ۱۳۸، ۱۳۹۔

۳۳۔۰۸۔۱۹۰۷ء بلکہ ۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۴ء کے دور کی ہنگامہ خیزی کے دو بنیادی اسباب تھے ۔ایک سبب ۱۹۰۵ء میں تقسیم صوبہ بنگال اور دوسرا سبب پنجاب کا نو آبادیاتی بل۔تقسیم بنگال کی

وجہ سے سینکڑوں بنگالی نوجوانوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ انگریز نے بہت سوں کو نہایت شدید قسم کی سزائیں دیں۔ ایک بڑی تعداد نے ملک ہی چھوڑ دیا۔ پنجاب کے نوآبادیاتی بل کے ردعمل کے جواب میں انگریز نے بے شمار لوگوں پر بغاوت کے مقدمات چلائے، یوں ملک میں عام بے چینی کی فضا تھی۔ ہنگامی قوانین بنائے اور نافذ کئے گئے، مخالفین کی طاقت کو مضمحل کرنے اور ردعمل کی شدۃ کو ست اور کمزور کرنے کے لئے انگریز نے فرقہ وارانہ فسادات بھی کروائے جو انگریز کا پرانا آزمودہ ہتھیار ہے۔

۳۴۔ علماء حق، ص: ۱۳۸ ۳۵۔ ایضاً، ص: ۱۴۹

۳۶۔ ذاتی ڈائری، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مکی دارالکتب۔ اردو بازار۔ لاہور۔ ص: ۲۶

۳۷۔ مقدمہ قواعد و مقاصد جمعیۃ الانصار۔ مولانا عبیداللہ سندھی۔ مطبوعہ دیوبند۔ ص: ۳

۳۸۔ دیکھیے، علماء حق۔ ص: ۱۳۸۔ نوٹ: شیخ الہندؒ کے متعلقین کی مزید تفصیلات ملاحظہ کیجیے، نقش حیات، ۲: ۵۹۷ تا ۶۲۴

۳۹۔ علماء حق۔ ص: ۱۳۸ ۴۰۔ ایضاً، ص: ۱۳۸

۴۱۔ ایضاً، ص: ۱۳۴ ۴۲۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۵۶۱، ۵۶۲، ۶۶۱

۴۳۔ التمہید لتعریف آئمۃ التجدید (عربی) مولانا عبیداللہ سندھی۔ طبع حیدر آباد۔ ص: ۲۶

۴۴۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۵۶۲، ذاتی ڈائری، ص: ۱۵۴

۴۵۔ اسیران مالٹا، ص: ۴۴ ۴۶۔ انقلابی لیڈر، ص: ۹ ۴۷۔ ذاتی ڈائری، ص: ۲۶ ۴۸۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، ص: ۱۶

۴۹۔ اسیران مالٹا۔ ص: ۴۶ ۵۰۔ نقش حیات، ص: ۵۵۵، ۵۵۶

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ ماہنامہ برہان ستمبر ۱۹۴۳ء، مضمون: مولانا اکبرالہ آبادی

۵۳۔ دیکھئے، تحریک شیخ الہندؒ، ص: ۱۰۶ تا ۱۱۰

۵۴۔ دیکھئے۔ تحریک شیخ الہندؒ، ص: ۱۴۲، ۵۵۔ تحر

یک خلافت، قاضی محمد عدیل عباسی۔ پروگریسو بکس، ۴۰ بی اردو بازار۔ ص: ۴۵

۵۶۔ دیکھئے۔ تحریک شیخ الہندؒ، ص: ۱۴۲　　۵۷۔ ذاتی ڈائری، ص: ۲۷

۵۸۔ تحریک شیخ الہندؒ، ص: ۱۱۱　　۵۹۔ نقش حیات، ص: ۶۳۲، ۶۳۳

۶۰۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۲۶۷　　۶۱۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۶۱۹

۶۲۔ انقلابی لیڈر، ص: ۱۴　　۶۳۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۶۲۱

۶۴۔ دیکھئے، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی سرگزشت کابل۔ مولانا عبداللہ لغاری۔ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت۔ اسلام آباد۔ ص: ۱۰

۶۵۔ نقش حیات، ص: ۶۱۵　　۶۶۔ ید بیضاء، ص: ۱۲۸، ۱۲۹

۶۷۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۶۱۶

۶۸۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۶۱۶، ۶۱۷　　۶۹۔ دیکھئے نقش حیات، ص: ۶۲۲

۷۰۔ دیکھئے۔ تحریک شیخ الہندؒ، ص: ۲۸۵

۷۱۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۶۶۲　　۷۲۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۶۰۰

۷۳۔ دیکھئے۔ نقش حیات، ص: ۶۰۱ تا ۶۰۸

۷۴۔ تحریک خلافت، ص: ۴۷　　۷۵۔ سرگزشت کابل، ص: ۴۴

۷۶۔ کابل میں سات سال، مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ سندھ ساگر اکادمی، لاہور ۱۹۸۷ء، ص: ۳۸

۷۷۔ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، مؤلفہ مفتی عبدالخالق آزاد۔ مکی دارالکتب لاہور ۱۹۹۸ء۔ ص: ۲۹

۷۸۔ ایضاً۔ ص: ۱۰۷

۷۹۔ تفصیل کے لیے دیکھئے، شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ۔ ص: ۱۰۶ تا ۱۱۰

۸۰۔ ایضاً، ص: ۲۰۵

۸۱۔ الہام الرحمٰن، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، طبع حیدر آباد۔ ۱: ۱۳۶

۸۲۔مقدمہ قواعد ومقاصد جمعیۃ الانصار۔مولانا عبیداللہ سندھی۔مطبوعہ دیوبند۔ص:۳

۸۳۔ماہنامہ "القاسم" ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۰ء ۔مضمون :"چندہ ہلال احمر اور دارالعلوم دیوبند" از مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔طبع دیوبند۔ص:۱۹،۲۰

۸۴۔آپ بیتی ،شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ،المیزان ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور ۲۰۰۷ء۔طبع سہارنپور۔۱:۳۱۸

۸۵۔شاہ عبدالرحیم رائے پوری،ص:۲۱۰،۲۱۱

۸۶۔نقش حیات،ص:۶۲۳

۸۷۔تذکرۃ الخلیل،مولانا محمد عاشق الٰہی۔طبع سہارنپور،انڈیا۔ص:۲۶۳

۸۸۔شاہ عبدالرحیم رائے پوری،ص:۳۴

۸۹۔دیکھئے نقش حیات،ص:۶۱۲

۹۰۔تحریک خلافت،ص:۴۷،۴۸

۹۱۔دیکھئے نقش حیات،ص:۶۳۶

۹۲۔تحریک شیخ الہندؒ،ص:۳۶۱،۳۶۲

۹۳۔تحریک خلافت،ص:۴۵

۹۴۔انقلابی لیڈر،ص:۱۹

۹۵۔تحریک خلافت،ص:۳۶

۹۶۔انقلابی لیڈر،ص:۲۰

۹۷۔مجلہ التوحید،تہران،نمبر۱۵۔رجب شعبان ۱۴۰۵ء/۱۹۸۵ء۔ص:۱۲۶،۱۳۰

۹۸۔ماہنامہ الفاروق۔جامعہ فاروقیہ ،کراچی۔محرم الحرام ۱۴۲۷ھ /فروری ۲۰۰۶ء۔ سفرنامہ،مطالعاتی دورۂ ایران(۲)مولانا ولی خان المظفر ،ص:۳۹

۹۹۔بینات کراچی بابت ماہ جولائی ۱۹۷۰ء،مضمون،پروفیسر محبوب الرحمٰن مظفر آبادی۔ص:۶۶

۱۰۰۔انقلابی لیڈر،ص:۱۹،۲۰

۱۰۱۔غالباً حضرت دین پوریؒ نے تحریک کا نشان یا اشارہ سمجھ لیا تھا۔

۱۰۲۔ید بیضاء،ص:۱۴۲

۱۰۳۔الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن،ص:۵۸

۱۰۴۔دیکھئے نقش حیات۔ص:۵۹۷تا۶۰۰

۱۰۵۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، ص: ۱۹، ۲۰ ۱۰۶۔ خدام الدین ، حضرت لاہوری نمبر، ص: ۳۰۲ ۱۰۷۔ نقش حیات، ص: ۶۶۵

۱۰۸۔ نقش حیات، ص: ۶۴۷

۱۰۹۔ دیکھئے ، تاریخ دارالعلوم دیوبند ۔ سید محبوب رضوی ، ادارہ اسلامیات کراچی ۔ لاہور ۲۰۰۵ء ۔ ۲: ۲۰۱

۱۱۰۔ دیکھیے ۔ تحریک شیخ الہندؒ، ص: ۱۴۰۔ مزید دیکھیے ، تاریخ دارالعلوم دیوبند ۔ ۲: ۲۰۱

۱۱۱۔ دیکھئے ، تاریخ دارالعلوم دیوبند ۔ ۲: ۱۹۹ ۱۱۲۔ دیکھئے تحریک شیخ الہند" ص: ۱۸۱ ۱۱۳۔ دیکھیے ۔ تحریک شیخ الہندؒ، ص: ۱۱۲ تا ۱۱۴

۱۱۴۔ ایضاً ص: ۱۴۲ ۱۱۵۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، ص: ۱۸

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

استعماری مظالم اور ملی تقاضے	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
جدوجہد اور نوجوان	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
قرآنی دعوت انقلاب	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
ولی اللّٰہی فکر کا تاریخی تسلسل	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
تقویٰ کیا ہے؟	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
دین حق اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
عبادت وخلافت	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
شریعت، طریقت اور سیاست	مولانا محمد الیاس دہلویؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
جدوجہد آزادی کا راہنما ادارہ	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
دینی تمدن کی تشکیل نو	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
اسلام اور گروہیت	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
اسلام کا اقتصادی نظام ایک تقابلی جائزہ	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
فرد اور اجتماعیت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
وقت کی قدر وقیمت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
ولی اللّٰہی تحریک	مولانا سید محمد میاںؒ
امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات	مولانا سید محمد میاںؒ
آزاد قومی پالیسی کا خاکہ	مولانا سید محمد میاںؒ
دین وحدت	مولانا سید سلیمان ندویؒ
جہاد کیا ہے؟	مولانا سید سلیمان ندویؒ
دین اور حکومت	مولانا سید سلیمان ندویؒ

پوسٹ بکس نمبر 938 پوسٹ آفس گلگشت ملتان